دیوانِ خواجہ میر دردؔ

اُردو مرکز ۱۱۱۷ حویلی حسام الدین بلیماران دہلی

تعداد ـــــــ ایک ہزار
اکتوبر ـــــــــــــ ۱۹۵۸ء
قیمت :- ایک روپیہ آٹھ آنے
محبوب المطابع برقی پریس دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف الالف

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا — حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
اس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے — کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا
بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن — آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا
ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا — اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا

مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

ماہیتوں کو روشن کرتا ہے نور تیرا — اعیان ہیں مظاہر ظاہر ظہور تیرا
یاں افتقار کا تو امکاں سبب ہوا ہے — ہم ہوں نہ ہوں ولے ہے ہونا ضرور تیرا
باہر نہ آسکی تو قید خودی سے اپنی — اے عقل بے حقیقت دیکھا شعور تیرا
ہے جلوہ گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت — یاں بھی شہود تیرا واں بھی حضور تیرا
جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں — جی میں سما رہا ہے از بس غرور تیرا

اے درد منبسط ہے ہر سو کمال اس کا
نقصان گر تو دیکھے تو ہے قصور تیرا

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا — ہم سبھی مہماں تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا
وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
حیف کہتے ہیں ہوا گلزار تاراج خزاں — آشنا اپنا بھی واں اک سبزۂ بیگانہ تھا

ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ — وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا
بھول جا خوش رہ عبث وے سابقے مت یاد کر
درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

کبھو خوش بھی کیا ہے دل کسی رندِ شرابی کا — بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا
چھپے ہرگز نہ مثلِ بو نہاں پردوں کے چھپانے سے — مزا پڑتا ہے جس گل پیرہن کو بے حجابی کا
شرارہ و برق کی سی بھی نہیں یاں فرصتِ ہستی — فلک نے ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا
میں اپنا دردِ دل چاہا کہوں جس پاس عالم میں — بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا
کبود چرخ دیکھا تو سواری کے نہیں قابل — مہ نو سے ہے پیدا عیب اس کی بد رکابی کا
زمانے کی نہ دیکھی جرعہ ریزی درد کچھ تو نے
ملایا مثلِ مینا خاک میں خون ہر شرابی کا

جان پر کھیلا ہوں میں میرا جگر دیکھنا — جی نہ رہے یار ہے مجھ کو ادھر دیکھنا
گرچہ وہ خورشید رو نت ہی میرے سامنے — تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا
سو کبھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک — اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا
ذکرِ وفا کیجیے اس سے جو واقف نہ ہو! — کہتے ہو کس سے یہ تم ٹک تو ادھر دیکھنا
مثلِ شرر رنگِ چشمِ ہستی بے بود ہے — دیکھ نہ سکتا اسے ٹک بھی جدھر دیکھنا
نالۂ دل کا اثر دیکھ لیا درد بس
جی میں نہ رہ جائے یہ آہ بھی کر دیکھنا

اکسیر پر ہوس اتنا نہ ناز کرنا — بہتر ہے کیمیا سے دل کا گداز کرنا

کب دل ملے کسی کا ہم غمزدوں سے کھلکر — ہے اپنے دل سے لازم جوں غنچہ ساز کرنا
اے آنسوؤ نہ آوے کچھ دل کی بات منہ پر — لڑکے ہو تم کہیں مت افشائے راز کرنا
تو اپنے ہاتھوں آپ ہی پڑتا ہے تفرقہ میں — اے امتیاز نادان ٹک امتیاز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ
جیدھر ملے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

شل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا — ہم رو سیاہ جانتے رہے نام رہ گیا
یارب یہ دل ہے یا کوئی مہماں سرائے ہے — غم رہ گیا کبھو کبھو آرام رہ گیا
ساقی مرے بھی دل کی طرف ٹک نگاہ کر — لب تشنہ تیری بزم میں یہ جام رہ گیا
سو بار سوز عشق نے دی آگ پر ہنوز — دل وہ کباب تھا کہ جگر خام رہ گیا
ہم کعبے کے چل بسے تھے پر اے مژدہ وصال — کچھ آج ہوتے ہوتے سرانجام رہ گیا
مدت سے وہ تپاک تو موقوف ہو گئے — اب گاہ گاہ بوسہ بہ پیغام رہ گیا

ازبس کہ ہم نے حرف دوئی کا اٹھا دیا
اے درد اپنے وقت میں ایہام رہ گیا

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا — تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی — جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری — آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی — ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

زور عاشق مزاج ہے کوئی
درد کو قصہ مختصر دیکھا

عاشق بیدل ترا یاں تک تو جی سے سیر تھا　　زندگی کا اس کو جو دم تھا دمِ شمشیر تھا
کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اسکو بھی　　جب تلک پہنچے ہی پہنچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا
حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں سب ورنہ یاں　　اپنے اپنے بوریے پر جو گدا تھا شیر تھا
اشک نے میرے ہلائے کتنے ہی دریا کے پاٹ　　اس صحرا میں ورنہ اس قدر کب گھیر تھا
شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی ٹک راہ ہی کا پھیر تھا

کام یاں جس نے جو کہ ٹھہرایا　　جب تلک ہووے آپ ہی کام آیا
بے طرح کچھ الجھ گیا تھا دل　　بے وفائی نے تیری سلجھایا
آنسو کب تک کوئی پئے جاوے　　اس محبت نے جی بہت کھایا
دشمنی میں سنا نہ ہووے گا　　جو ہمیں دوستی نے دکھلایا
ہم نہ کہتے تھے منہ نہ چڑھ اُس کے
درد نہ کچھ، عشق کا مزا پایا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا　　تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے　　مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
گلی سے تری دل کو لے تو چلا ہوں　　میں پہنچوں گا جب تک یہ آتا رہے گا
جفا سے غرض امتحانِ وفا ہے　　تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا
قفس میں کوئی تم سے اے ہم صفیرو　　خبر گل کی ہم کو سناتا رہے گا۔
خفا ہو کے اے درد مر تو چلا تو
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

جی میں ہے سیر عدم کیجئے گا
یک بیک خلق سے رم کیجئے گا

ورنہ پھر تو یاں ہم ہی ہیں
اور کس پر یہ کرم کیجئے گا

سخت بے باک ہے یہ خامۂ شوق
اپنے ہاتھوں کو قلم کیجئے گا

ٹک بھی گردوں نے اگر فرصت دی
عیش کو کشتۂ غم کیجئے گا

گرمی اشک سے مانند شراب
آب و آتش کو بہم کیجئے گا

سینہ و دل کے تئیں داغوں سے
رشک گلزار ارم کیجئے گا

قصد ہے قطع بطور مستاں
عرصۂ دیر و حرم کیجئے گا

پھر جب آوے گی جی میں جوں برق
راہ طے اک دو قدم کیجئے گا

شدت مہر بتاں دل سے آہ
درد کس طرح سے کم کیجئے گا

ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا
پر اُسے آہ نے اثر نہ کیا

سب کے ہاں تم ہوئے کرم فرما
اس طرف کو کبھو گذر نہ کیا

کیوں بھویں تانتے ہو بندہ نواز
سینہ کس وقت میں سپر نہ کیا

کتنے بندوں کو جان ہی کھویا
کچھ خدا کا بھی تو نے ڈر نہ کیا

دیکھنے کو رہے ترستے ہم
نہ کیا رحم تو نے پر نہ کیا

آپ سے ہم گذر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا

کونسا دل ہے وہ کہ جس میں آہ
خانہ آباد تو نے گھر نہ کیا

تجھ سے ظالم کے سامنے آیا
جان کا میں نے کچھ خطر نہ کیا

سب کے جوہر نظر میں آئے درد
بے ہنر تو نے کچھ ہنر نہ کیا

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا　　پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا
رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور　　شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن　　میں جو پہنچا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا
باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے　　واں پہ پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
پرورش غم کی ترے یاں تئیں تو کی دیکھا　　کوئی بھی داغ تھا سینہ میں کہ ناسور نہ تھا
محتسب آج تو میخانہ میں ترے ہاتھوں　　دل نہ تھا کوئی کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا

درد کے ملنے سے اے یار برا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا　　کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا
اُن نے قصداً بھی میرے نالے کو　　نہ سُنا ہوگا گر سُنا ہوگا
دیکھیے غم سے اب کے جی میرا　　نہ بچے گا بچے گا کیا ہوگا
دل زمانے کے ہاتھ سے سالم　　کوئی ہوگا کہ رہ گیا ہوگا
حال مجھ غمزدے کا جس تس نے　　جب سنا ہوگا رو دیا ہوگا
دل کے پھر زخم تازے ہوتے ہیں　　کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا
یک بیک نام لے اُٹھا میرا　　جی میں کیا اس کے آ گیا ہوگا
میرے نالوں پہ کوئی دنیا میں　　بن کیے آہ کم رہا ہوگا
لیکن اس کو اثر خدا جانے　　نہ ہوا ہوگا یا ہوا ہوگا
قتل سے میرے وہ جو باز رہا　　کسی بدخواہ نے کہا ہوگا

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا ‌ ‌ ‌ میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
رکھتا ہوں ایسے طالع بیدار میں کہ رات ‌ ‌ ‌ ہمسایہ میرے نالوں کی دولت نہ سو سکا
گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر ‌ ‌ ‌ میں نے درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا
وحشت عدم میں جا کے نکالوں گا جی کا غم ‌ ‌ ‌ کنج جہاں میں کھول کے جی میں نہ رو سکا
جوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر
تو بھی تو درد داغ جگر میں نہ رو سکا

انداز وہ ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا ‌ ‌ ‌ زخمی جو کوئی ہوا ہو کسی کی نگاہ کا
زاہد کو ہم نے دیکھ لیا جوں نگیں بعکس ‌ ‌ ‌ روشن ہوا ہے نام تو اس روسیاہ کا
ہر چند فسق میں تو ہزاروں ہیں لذتیں ‌ ‌ ‌ لیکن عجب مزا ہے فقط دل کی چاہ کا
لیکن ازل سے تا بہ ابد ایک آن ہے ‌ ‌ ‌ گر درمیاں حساب نہ ہو سال و ماہ کا
رحمت قدم نہ رنجہ کرے گر تری ادھر ‌ ‌ ‌ یارب ہے پھر تو کون ہمارے گناہ کا
دل اس مژدہ سے رکھیو نہ تم چشم راستی ‌ ‌ ‌ اے بیخبر برا ہے یہ فرقہ سیاہ کا
شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں ‌ ‌ ‌ نے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا
سو بار دیکھیں میں نے تری بیوفائیاں ‌ ‌ ‌ تسپر بھی نِت غرور ہے دل میں نباہ کا
اے درد چھوڑتا ہی نہیں مجھکو جذب عشق
کچھ کہربا سے بس نہ چلے برگ کاہ کا

دل کس کی چشم مست کا سرشار ہو گیا ‌ ‌ ‌ کس کی نظر لگی جو یہ بیمار ہو گیا
کچھ ہے خبر تجھے بھی کہ اٹھ اٹھ کے رات کو ‌ ‌ ‌ عاشق تری گلی میں کئی بار ہو گیا
بیٹھا تھا خضر آ کے مرے پاس ایکدم ‌ ‌ ‌ گھبرا کے اپنی زیست سے بیزار ہو گیا

چاک جگر تو سینکڑوں خاطر میں کچھ نہ تھے ۔ دل کی تپش کے آگے ہیں ناچار ہو گیا
کھٹکی کبھو دلوں میں نہ تیری صدا جرس نالہ مرا تو چھوٹتے ہی پار ہو گیا
اے درد ہم سے یار ہے اب تو سلوک میں
خط زخم دل کو مرہم زنگار ہو گیا

تم نے تو ایک دن بھی نہ ایدھر گذر کیا ہم نے ہی اس جہان سے آخر سفر کیا
جن کے سبب سے دیر کو تو نے کیا خراب اے شیخ ان بتوں نے مرے دلمیں گھر کیا
تیرے سبب سے اور بھی مجھ پر غضب ہوا اے نالہ واہ خوب ہی تو نے اثر کیا
کم فرصتی نے ہستی بے اعتبار کی شرمندہ تیرے آگے ہمیں اے شرر کیا
پیکاں و دل کے ساتھ ہوا جب معاوضہ سینے سے تب خدنگ نے تیرے گذر کیا
روتا ہوں گرم جوشی سے مے یاد کر کے درد
آتش نے مجھکو شمع کے مانند تر کیا

شب گذری اور آفتاب نکلا تو گھر سے بھلا شتاب نکلا
اے آتش عشق جس کو ہم یاں دل سمجھے تھے سو کباب نکلا
ایدھر کو جو مسکرا کے دیکھا کچھ تو جی سے حجاب نکلا
ہر چند کئے ہزار نالے پر دل سے نہ اضطراب نکلا
میخانۂ عشق میں تو اے درد
تجھ سا نہ کوئی خراب نکلا

مانند فلک دل متوطن ہے سفر کا معلوم نہیں اس کا ارادہ ہے کدھر کا

جوں چاہیے اس طرح بیاں ہم سے نہ ہوگا — گر اپنے دہن سے ہی تو وصف اپنی کمر کا
آزاد کسی کی بھی اٹھاتے نہیں منت — دیکھا نہ کسی سرو کو تہ بار ثمر کا
بے خون جگر داغ تو مرجھا ہی چلے تھے — ہوتا نہ اگر چشمہ مرے دیدۂ تر کا

کہسار پہ ہر سنگ یہ کہتا تھا پکارے
اے درد مقر ہوں ترے نالوں کے اثر کا

ٹھہر جا ٹک بات کی بات ہے اے صبا — کوئی دم کو ہم بھی ہوتے ہیں ہوا
لے نہ جائے حرص اہل فقر کو — بہ سکے کب موج نقش بوریا
رات جب پہنچا میں اس کے روبرو — جوں زبان شمع گم تھا مدعا
کھل گیا جو کچھ کہ تھا اے نیستی — ہستی موہوم کا یاں افترا

ذرہ میری تیرہ بختی کے تئیں
ڈھونڈھیو ہمسایۂ ظل ہما

کھلا دروازہ میرے دل پہ ازبس ادر عالم کا — نہ اندیشہ ہے شادی کا مجھے نے فکر ہے غم کا
بلند و پست سب ہموار ہیں یاں اپنی نظروں میں — برابر ساز میں ہوتا ہے جوں شور زیر اور بم کا
گلستان جہاں کا دیکھیو چشم عبرت سے — کہ ہر اک سرو قد ہے اس چمن میں نخل ماتم کا
چمن میں باغباں ہی تجھکو کہتی تھی یہ بلبل — گلوں کے منہ پہ یوں چڑھتی ہے دیدہ دیکھ شبنم کا

نہیں مذکور شاہاں تذکرہ ہرگز اپنی مجلس میں
کبھو کچھ ذکر آیا بھی تو ابراہیم ادہم کا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا — بس ہجوم یاس دل گھبرا گیا

تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا
پر وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری
جی میں یہ کس کا تصوّر آ گیا

میں تو کچھ ظاہر نہ کی تھی دل کی بات
پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

پی گئی کتنوں کا لوہو تیری یاد
غم ترا کتنے کلیجے کھا گیا

مٹ گئی تھی اس کے جی سے تو جھجک
درد کچھ بک بک کے تو چونکا گیا

دنیا میں کون کون نہ یک بار ہو گیا
پر منہ پھر اس طرف نہ کیا اُس نے جو گیا

پھرتی ہے میری خاک صبا دربدر لیے
اے چشم اشکبار یہ کیا تجھ کو ہو گیا

آگاہ اس جہاں سے نہیں غیر بے خبراں
جاگا وہی ادھر سے جو موند آنکھ سو گیا

طوفان نوح نے تو ڈبائی زمیں فقط
میں ننگ خلق ساری خدائی ڈبو گیا

برہم کہیں نہ ہووے گل و بلبل کی آشتی
ڈرتا ہوں آج باغ میں وہ تند خو گیا

واعظ کسے ڈراوے ہے یوم الحساب سے
گریہ مرا تو نامۂ اعمال دھو گیا

پھولیں گے اس زباں میں بھی گلزار معرفت
یاں میں زمین شعر میں یہ تخم بو گیا

آیا نہ اعتدال پہ ہرگز مزاج دہر
میں گرچہ گرم و سرد زمانہ سمو گیا

اے درد جس کی آنکھ کھلی اس جہان میں
شبنم کی طرح جان کو اپنی وہ رو گیا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

مرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ
کہ جس کو کسی نے کبھی وا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو آہ بیگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں — ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
کیا مجھ کو داغوں نے سروِ چراغاں — کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے — ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا
حجابِ رخِ یار تھے آپ ہی ہم — کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا

شب و روز اے دردؔ در پے ہوں اسکے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

نشہ کیا جانے وہ کہنے کو جو آشام ہے شیشا — جہاں میں دخترِ رز سے عبث بدنام ہے شیشا
صراحی دیکھو تنک خلق اے ساقی بھرے ہے گو — مگر اپنا ہی خالی جوں دلِ ناکام ہے شیشا
شب و روز اس طرح گذری ہے اپنی تو نہ پوچھ کچھ — صراحی صبحکو گریاں تھی ہے تو شام ہے شیشا
نگاہِ مست ان آنکھوں کی ٹک ادھر بھی ہو ساقی — کہ ہم کم حوصلوں کے حق میں اک جام ہے شیشا

نہو گر گل شگفتہ کیونکہ دل اے دردؔ مستوں کا
مے گلگوں کی دولت سر بسر گلفام ہے شیشا

تو جن کے گھر سے نکل گیا تھا — اپنا بھی تو جی نکل گیا تھا
اب دل کو سنبھالنا ہے مشکل — اگلے دنوں کچھ سنبھل گیا تھا
آنسو مرے جو انھوں نے پونچھے — کل دیکھ رقیب جل گیا تھا
پھر ہونے لگا یہ دل تو بے چین — کتنے روز دل بہل گیا تھا
یارب پھر مہرباں ہوا ہے — بے طرح سے کچھ بدل گیا تھا
شب تک جو ہوا تھا وہ ملائم — اپنا بھی تو جی پگھل گیا تھا

میں سامنے سے جو مسکرایا
ہونٹھ اس کا بھی ذرا دہل گیا تھا

یوں ہی ٹھہری کہ آبھی جایئے گا
پھر شتابی تو بھلا آیئے گا

جی کی جی ہی میں نہ رکھ جایئے گا
بات جو ہوگی سو فرمایئے گا

رُخ ہمارا بھی اگر پایئے گا
تو ہی منھ اپنا بھی دکھلایئے گا

میں جو پوچھا کبھو آؤگے کہا
جی میں آجائے تو آیئے گا

کیونکہ گذرے گی بھلا دیکھوں ہوں
گر اسی طرح سے شرمایئے گا

میں خدا جانے یہ کیا دیکھوں ہوں
آپ کچھ جی میں نہ بھرمایئے گا

میرے ہونے سے عبث رکتے ہو
پھر اکیلے بھی تو گھبرایئے گا

پوچھ گر حال تو پھر سنتے نہیں
بس مجھے اور بکوایئے گا

کبھو ہمکو بھی بھلا کوچوں میں
پھرتے چلتے نظر آجایئے گا

زلف میں دل کو تو اُلجھاتے ہو
پھر اسے آپ ہی سلجھایئے گا

خدمت اور دل ہی کو فرماتے ہو
کبھو بندہ کو بھی فرمایئے گا

قتل تو کرتے ہو مجھ کو لیکن
بہت سا آپ ہی پچھتایئے گا

حرم و دیر تو ہم چھان چکے
کہیں اس کا بھی نشاں پایئے گا

درد نہ ہم اس کو تو سمجھائیں گے پر
اپنے تئیں آپ بھی سمجھایئے گا

بظاہر کہیں غنچہ دل سے ملا تھا
گل اس کا گریبان و دست قضا تھا

تمنا مرحص ہوئی نا امیدی
یہ کیا ہو گیا اور مرے دل میں کیا تھا

جو اس طرح غیروں سے ملتا پھرے ہے — کبھی تو ہمارا بھی وہ آشنا تھا
کہا میں مرا حال تم تک بھی پہنچا — کہا تب اچنبھا سا کچھ میں سنا تھا
برائی تری کچھ نہیں بات کیا ہے — مرا دل ہی یہ میرے حق میں برا تھا!
تم آکر جو پہلے ہی مجھ سے ملے تھے — نگاہوں میں جادو سا کچھ کر دیا تھا
بلائیں جو کچھ اس کے ملنے سے دیکھیں
نہ ملتے تو اے دردؔ اس سے بھلا تھا

اپنا تو نہیں یار میں کچھ یار ہوں تیرا — تو جس کی طرف ہووے طرفدار ہوں تیرا
کڑھنے پہ مرے جی نہ کڑھا تیری بلا سے — اپنا تو نہیں غم مجھے غم خوار ہوں تیرا
تو چاہے نہ چاہے مجھے کچھ کام نہیں ہے — آزاد ہوں اس سے بھی گرفتار ہوں تیرا
تو ہووے جہاں مجھکو بھی ہونا وہیں لازم — تو گل ہے مری جان تو میں خار ہوں تیرا
ہے عشق سے میرے ہی ترے حسن کا شہرہ — میں کچھ نہیں پر گرمئ بازار ہوں تیرا
میری بھی طرف تو کبھی آجا مرے یوسف — بڑھیا کی طرح میں بھی خریدار ہوں تیرا
اے دردؔ مجھے کچھ نہیں اب اور تو آزار
اس چشم سے کہہ دینا کہ بیمار ہوں تیرا

تو کب تئیں مجھ ساتھ مری جان ملے گا — ایسا بھی کبھو ہوگا کہ پھر آن ملے گا
چلئے کہیں اس جا پہ کہ ہم تم ہوں اکیلے — گوشہ نہ ملے گا کوئی میدان ملے گا
شیوہ نہیں اپنا تو عبث ہرزہ یہ بکنا — کچھ بات کہیں گے جو کوئی کان ملے گا
رہ بیٹھے گا میری ہی طرح دین کو اپنے — کافر جو ترے ساتھ مسلمان ملے گا
نزدیک ہے پر اپنے بلا پہنچے کب آکے — مل جائے گا تو دور سے پہچان ملے گا

یوں وعدے ترے دل کی تسلی نہیں کرتے
تسکین جبھی ہوئیگی جب آن ملے گا

اے درد کہا میں نے ملو جس سے کہ چاہو
کہنے لگا تجھ سا کوئی انسان ملے گا

سحر ہوتے ہی اٹھ کر وہ جو گھر سے باہر آ نکلا
ادھر ہی اتفاقاً پھرتے پھرتے میں بھی جا نکلا

مرے دل کو جو تو ہر دم بھلا اتنا ٹٹولے ہے
تصور کے سوا تیرے بتا تو اس میں کیا نکلا

میں اپنا حال کہہ سارا جو پوچھا وعدہ آنے کا
کہا سن سن کے سب باتوں کو آخر مدعا نکلا

مری تعریف کی تھی اس سے بعضوں نے تو وہ سنکر
لگا کہنے جو سنتے تھے وہ اپنا آشنا نکلا

ملے ہے درد اس کے ساتھ دیکھا تو غریبی سے
گھمنڈ اس کے جو تھا جی میں سو اب شاید گیا نکلا

ترے کہنے سے میں از بس کہ باہر ہو نہیں سکتا
ارادہ صبر کا کرتا تو ہوں پر ہو نہیں سکتا

کہا میں جب ترا بوسہ تو جیسے قند ہے پیارے
لگا تب کہنے پر قندِ مکرر ہو نہیں سکتا

دلِ آوارہ الجھے یاں کسو کی زلف سے یا رب
علاج آوارگی کا اس سے بہتر ہو نہیں سکتا

مری بے صبریوں کی بات میں وہ سب سے کہتا ہے
تحمل مجھ سے بھی تو حال سن کر ہو نہیں سکتا

کرے کیا فائدہ ناچیز کو تقلید اچھوں کی
کہ جم جانے سے کچھ اولا تو گوہر ہو نہیں سکتا

نہیں چلتا ہے کچھ اپنا تو تیرے خشم کے آگے
ہمارے دل پہ کوئی اور تو در ہو نہیں سکتا

کہا میں یوں تو مل جانے ہو آ کر بعد مدت کے
اگر چاہو تو یہ کیا تم سے اکثر ہو نہیں سکتا

لگا کہنے سمجھ اس بات کو ٹک تو کہ جلد اتنا
ترے گھر آنے جانے میں مرا گھر ہو نہیں سکتا

بچوں کس طرح میں اے درد اسکی تیغ ابرو سے
کہ جس کے سامنے آئے کوئی جانبر ہو نہیں سکتا

جب تک ہی دل کے شیشے میں زنگ امتیاز کا ہے اے پری تبھی تئیں آئینہ ناز کا
جسکی جناب کے یہ سبھی ناز ہیں نیاز دامن ہی ہاتھ میں مرے اس بے نیاز کا
ہے کوتہی اجل کی طرف سے ہی ورنہ میں اک عمر سے اسیر ہوں زلف دراز کا
اے دردؔ اس جہاں میں آکر صدائے غیب
بے پردہ ہووے جس سے وہ پردہ ہی ساز کا

گل و گلزار خوش نہیں آتا باغ بے یار خوش نہیں آتا
اے جنوں جیب میں ترے ہاتھوں ایک بھی تار خوش نہیں آتا
کیا جفا کے سوا تجھے کچھ اور اے ستمگار خوش نہیں آتا
دردؔ ہم کو یہ رات دن تیرا
نالۂ زار خوش نہیں آتا

بھر لئے سے نہیں یہ نور سے معمور ہی شیشا تجلی پر نظر کر اس کے کوہ طور ہی شیشا
شتابی میکدے میں آ کہیں تجھ بن تو اے ساقی پڑا ہے جام بے کیفیت و مخمور ہی شیشا
بغل میں اپنی بیٹھا ہے لئے یہ دختر رز کو نہ پوچھو اس کو مینا دانۂ انگور ہی شیشا
بچایا محتسب کے ہاتھ سے اے دردؔ میں لیکن
مرے دل کی طرح میری بغل میں چور ہی شیشا

اے شانہ تو نہ ہو دشمن ہمارے جی کا کہیں دیکھو نہ ہووے زلفوں کا بال بیکا
کھیلا ہے کفریاں تک کافر نے سب سے شمع حرم بھی دے ہے ہاتھ سے یہ اپنے ٹیکا
گزرا تھا بعد مدت وہ سامنے سے ہو کر اے کوتہی نالہ یہ وقت تھا کبھی کا

جوں شمع تو نے جیدھر نظریں اٹھا کے دیکھا
پروانہ وار جی ہی جاتا رہا کسی کا

تو بھی نہ اگر ملا کرے گا — عاشق پھر جی کے کیا کرے گا
اپنی آنکھوں اسے میں دیکھوں — ایسا بھی کبھو خدا کرے گا
گر ہیں یہی ڈھنگ ترے ظالم
دیکھیں گے کوئی وفا کرے گا

اہل زمانہ آگے بھی تھے اور زمانہ تھا — پر اب جو کچھ ہے یہ تو کسو نے سنا نہ تھا
چٹکا عبث نہیں کوئی غنچہ چمن میں آہ — اے توسنِ بہار تجھے تازیانہ تھا
باور نہیں ابھی تجھے غافل یہ عنقریب
معلوم ہووے گا کہ یہ عالم فسانہ تھا

حال یہ کچھ تو ہے اب دل کی توانائی کا — کہ یہ طاقت نہیں لوں نام شکیبائی کا
اے شب ہجر نہیں ہے یہ سیاہی تیری — خون گردن پہ ترے ہے کسی سودائی کا
نام سنتا نہیں زاہد تری حرمت کا کوئی
شور ایسا ہے جہاں میں مری رسوائی کا

ولہ

کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و میخانہ — مثال زندگی پُر آب ہے اب اپنا پیمانہ
کسو سے کیا بیاں کیجے اس اپنے حال ابتر کو — دل اسکے ہاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا
نظر جب دل پہ کی دیکھا تو مسجود خلائق ہے — کوئی کعبہ سمجھتا ہے کوئی سمجھے ہے بتخانا

ولہ

اے شمع روز سب کہ ترا انتظار تھا　　میں ایک سا ہی شعلہ صفت بیقرار تھا
ظالم یہ صید دل سر فتراک سے ترے　　اس وقت سے بندھا ہے کہ تو نے سوار تھا
مدّت کے بعد خط سے یہ ظاہر ہوا کہ عشق　　تیری طرف سے حسن کے دل میں غبار تھا

ولہ

وہ دن کدھر گئے کہ ہمیں بھی فراغ تھا　　یعنی کبھو تو اپنے بھی دل تھا دماغ تھا
جلتا ہے اب پڑا خس و خاشاک میں ملا　　وہ گل کہ ایک عمر چمن کا چراغ تھا
گذروں ہوں جس خرابے پہ کہتے ہیں واں کے لوگ　　ہے کوئی دن کی بات یہ گھر تھا یہ باغ تھا

اشعار

کچھ کشش نے تری اثر نہ کیا　　تجھکو اے انتظار دیکھ لیا
تشنگی اور بھی بھڑک گئی　　جوں جوں میں آنسوؤں کو اپنے پیا

زلفوں میں کسو کی جو گرفتار نہ ہوتا　　کچھ کام مجھے تجھ سے شب تار نہ ہوتا
مرنا ہی لکھا ہے مری قسمت میں عزیزاں　　گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

ایک تو ہوں شکستہ دل تس پہ یہ جور یہ جفا　　سختی عشق واہ واجی نہ ہوا ستم ہوا
جان کے بدلے میرے ساتھ وعدہ یک نگاہ تھا　　سو بھی نہ تجھ سے ہو سکا مفت ہی مفت جی لیا

جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان میں دیکھا　　جو کچھ کہ سنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا
جوں غنچہ بجز یک دل صد چاک نہ پایا　　منھ ڈال کے جب اپنے گریبان میں دیکھا

ایضاً

ناصح میں دین و دل کے تئیں اب تو کھو چکا — حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا
زاہد کیا کرے ہے وضو گو کہ روز و شب — چاہے کہ دل سے دھوئے کدورت سو دھو چکا

مذکور جانے بھی دو ہم دل طپیدگاں کا — احوال کچھ نہ پوچھو آفت رسیدگاں کا
موج نسیم گو ہے زنجیر بوئے گل کی — دامن نہ چھو سکی پر از خود رمیدگاں کا

افراد

دیکھکر حال پریشاں عاشقان زار کا — بل نکلے معشوقوں نے رسم زلف باندھی ہی اٹھا
محبت نے ہم کو ثمر جو دیا — سو یہ ہے کہ سب کام سے کھو دیا
شکوہ تجھے کس سے ہے گلہ کس سے یہ ٹھانا — مانند فلک اپنی ہی گردش ہے زمانا
ہم نے چاہا بھی پر اس کوچے سے آیا نہ گیا — واں سے جوں نقش قدم دل تو اٹھایا نہ گیا
فلک پر کون کہتا ہے گذر آہ سحر کرنا — جہاں جی چاہے واں جا پر کسی دل میں اثر کرنا
قل مری زنجیر نے رفتار میں ایسا کیا — حشر کو بھی شور جو ہونا نہ تھا برپا کیا
بیبار خلق کرتی ہے اپنے کمال کا — یہ آئینہ ہے جلوہ فروش اس جمال کا
خط کے آنے سے ہوا معلوم جانا حسن کا — نوخطوں نے اب نکالا پیش خانا حسن کا
مخالف کٹ گئے سنتے ہی مجلس میں سخن میرا — زباں کا اب ہوا معلوم جوہر تیغ ہی گویا
بالے مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا — پھر مجھ پہ مہرباں ہوا تو غضب ہوا
گلہ کرتا نہیں میں کچھ تری نامہربانی کا — مجھے شکوہ ہے اے ظالم اس اپنی سخت جانی کا
رسوائیاں اٹھائیں جو رہ عتاب دیکھا — عاشق تو ہم ہوئے پر کیا کیا عذاب دیکھا
آشیانے میں نہ تھے درد بلبل کے — آتش گل سے آج پھول پڑا

ردیف الباء

تھا عدم میں بھی مجھے اک پیچ و تاب　　مضطرب ہوں جوں طرح موج سراب
بے بضاعت ہیں سب اہل زرق برق　　چشمۂ خورشید ہیں کیدھر ہے آب
موت ہے آسائشِ افتادگان　　چشم نقشِ پا کا مٹ جانا ہے خواب
کیوں نہ ہو شرمندہ روئے زمیں　　سیلِ اشک ایسا نہیں خانہ خراب
ہے تنک ظرفوں کی یہ جامے کشی　　جام مے کب ہو سکے جام حباب
چل نہ جاویں ہیں جو صاحب حوصلہ　　پائے خم لغزش میں کب لاوے شراب
ہستی میں کوئی کبھو دل مردگان　　گو درکے لب پر تبسم کیا حساب
مے کشاں کرنے لگے محنت کشی
درد ہوتا ہے دل یاراں کباب

ردیف التاء

وہ مو کمر کہیں یہ ہووے حجاب رات　　تھا مثلِ زلف دل کو عجب پیچ و تاب رات
ہم روسیاہ دن کو تو کیا منہ دکھا سکیں　　جوں شمع چاہتے ہیں کہ ہووے شتاب رات
تیری گلی میں اے بت بے مہر دن کی طرح　　لایا تھا پھر مجھے دلِ خانہ خراب رات
واں تم تو اپنے خوش رہے سو گئے کہ کیا کہوں　　گذرا ہے میرے جی پہ جو یاں کچھ عذاب رات
تو شام سی جو اے مرے خورشید رہ گیا　　انجم کی طرح آیا نہ آنکھوں میں خواب رات
میرے گناہ آتے ہیں کوئی شمار میں
اے درد میں لے جی میں کیا تھا حساب رات

زاہد اگر نہیں کی تو نے کسو سے بیعت　　پیر مغاں کے ہاں کر دست سبو سے بیعت
زلف بتاں سے کہنا ہے وقت دست گیری　　اس سلسلہ میں کی دل نے کسو سے بیعت

گر کھینچ کھینچ چلے جان اپنی تیغ کھو دے
کوئی زندہ دل کرے ہے اس مردہ شو سے بیعت

ردیف الجیم فارسی

آئے تم کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ
اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

آئینہ کی طرح غافل کھول چھاتی کے کواڑ
دیکھ تو ہے کون بارے تیری کاشانے کے بیچ

سیر باغ و بوستاں تو ہے میسّر ہر گھڑی
آئیے گا ہی فقیروں کے بھی ویرانے کے بیچ!

جو مزے ہیں مرگ میں سو ہم سے پوچھا چاہیئے
کون جانے آہ کیا لذت ہے مر جانے کے بیچ

عقدۂ دل کھول مثل قطرہ ناداں کب تلک
جوں گہر غلطاں رہیگا آب اور دانے کے بیچ

پیچ و تاب اتنا جو ہے یاں اس دل صد چاک کو
زلف الجھی ہے کسو کی ظاہرا شانے کے بیچ

بخت خواب آلود نے میرے سلایا اسکو درد
ورنہ پھونکا تھا ہی افسوں میں نے افسانے کے بیچ

مذکور جب چلے ہے مرا انجمن کے بیچ
کچھ آپ ہی آپ سوچ وہ رہتا ہے من کے بیچ

اے بے خبر تو آپ سے غافل نہ بیٹھ رہ
جوں شعلہ یاں سفر ہی ہمیشہ وطن کے بیچ

تجھ کو نہیں ہیں دیدۂ بینا وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہی آن کے ہر پیرہن کے بیچ

سودا اگرچہ درد تو خاموش ہے ولے
جوں غنچہ سو زباں ہیں اس کے دہن کے بیچ

درد جو آتا نہیں اب تو نظر ظاہر کے بیچ
چھپ رہا ہوگا کسو کے گوشۂ خاطر کے بیچ

ردیف الرّاء

کیونکر میں خاک ڈالوں سوز دل تپاں پر
مانند شمع میرا کب حکم ہے زباں پر

میں کس طرح بتوں کے لا سامنے بٹھا دوں
دل تو دماغ اپنا کھینچے ہے آسماں پر

کب اختیار اپنا جوں گل ہے اس چمن میں
گل چیں سے کیا چلے ہے کیا زور باغباں پر

چاہے کہ بات جی کی منھ پر نہ آئے میرے — اپنے دہاں کو لاکر رکھدے میرے دہاں پر
میں جانتا نہیں ہوں بیٹھے بٹھائے یارب — یوں آپڑی کہاں سے آفت یہ میری جاں پر
تارِ نگہ پہ دل یاں دونوں طرف سے دوڑے — دو نٹ مقابل آویں جس طرح ریسماں پر

اے دردؔ یار جیسا ہووے سو ہے غنیمت
اتنا بھی جی نہ رکھئے ہر وقت امتحاں پر

ساقی ہی چڑھا آج تو یہ رنگ ہوا پر — شیشہ ہو گرے پھینکئے گر سنگ ہوا پر
ہے اور ہی جلوے کی غرض بو قلمونی — یہ قوس قزح کا نہیں نیرنگ ہوا پر
گھبرا کے دل تنگ جو کوئی سانس نکالے — اک دم میں ہو عرصہ تو ابھی تنگ ہوا پر
جوں کاغذ باد اہل ہوس بیچ میں ہیں گے — رہتی ہے سدا ان کے تئیں جنگ ہوا پر
مانند حباب آہ تنک ظرف جہاں کے — یاں کرتے ہیں سر کھینچنے کے ڈھنگ ہوا پر
تو ہی نہیں ساقی تو جسے ابر ہیں کہتے — اپنی ہی نظر میں یہ بندھا رنگ ہوا پر

ہر دم دلِ بے تاب مرا دردؔ کرے ہے
جوں نغمہ نکل آئے گا آہنگ ہوا پر

اُس قدر تھا یا کرم یا ظلم رانی اس قدر — مہربانی اس قدر نامہربانی اس قدر
جان کو آنے دے اب تک نزع میں کب تنگ ہوں — دشمنی مجھ سے نہ کر اے ناتوانی اس قدر
کیا کہوں دل کا کسو سے قصّہ آوارگی — کوئی بھی بے ربط ہوتی ہے کہانی اس قدر

دردؔ تو کرتا ہے معنی کے تئیں صورت پذیر
دسترس رکھتے تھے کب بہزاد و مانی اس قدر

مشہور خلق میں نہیں اپنے کمال کر — یکتا ہوں مثلِ آئینہ اور ہی جمال کر
آنکھیں تو آنسوؤں سے کبھی تر نہیں ہوئیں — ٹک تو ہی اے جبینِ عرق انفعال کر
حیرت ہے یہ کہ تجھ سے ستمگر کے ہاتھ ہیں — آنکھوں نے دل کو کیونکہ دیکھ بھال کر

اے دردؔ کر تک آئینہ دل کو صاف تو
پھر ہر طرف نظارۂ حسن و جمال کر

فرد

ہنس قبر پہ میری کھل کھلا کر — یہ پھول چڑھا کبھی تو آ کر

ردیف الزاء

کیا ہوا مر گئے آرام سے دشوار ہنوز — جی میں تڑپے ہی پڑی حسرتِ دیدار ہنوز
ہر لبِ زخم نمک سوز ہے گو مثلِ سحر — شکوہ آلودہ نہیں پر لبِ اظہار ہنوز
کر چکا اپنی سی عیسیٰ بھی تو پر کیا حاصل — ہیں گے ویسے ہی تری چشم کے بیمار ہنوز
موڑ یو منھ نہ ابھی سوزنِ مژگاں ہم سے — ٹانکے زخموں میں تو ہیں کتنے ہی درکار ہنوز
ہے خیال اس کی ہی زلفوں کا دمِ آخر بھی — بندھ رہا ہے مری نظروں میں وہی تار ہنوز
ورنہ تو چھوٹ گئے مر کے بھی اے کنجِ قفس — ایک ہم ہی رہے ہر طرح گرفتار ہنوز

یار جاتا تو رہا نظروں سے کب کا لیکن
دل میں پھرتی ہے مرے دردؔ وہ رفتار ہنوز

لیتا نہیں کبود کی اپنے عناں ہنوز — پھرتا ہے کس تلاش میں یہ آسماں ہنوز
ہے بعد مرگ بھی وہی آہ و فغاں ہنوز — لگتی نہیں ہے تالو سے میری زباں ہنوز
موجود بوجھتا نہیں کوئی کسی کے تئیں — توحید تو بھی ہوتی نہیں ہے عیاں ہنوز
سو طرح کی ہجر میں ہوتی ہے جانکنی — مرتا نہیں ہوں تو بھی تو ہیں سخت جاں ہنوز

ہر چند کہنہ سال ہے دنیا تو کس قدر آتی ہے پر نظر میں سبھوں کی جوان ہنوز
کعبہ میں درد آپ کو لایا ہوں کھینچ کر
دل سے گیا نہیں ہے خیال بتاں ہنوز

اشعار

کوہکن سے نہ بول اے پرویز اس کے تیشہ کی بھی زباں ہے تیز
ساقی اب سب پکارتے ہیں گے تیرے ہاتھوں سے یاں بریز بریز

فرد

برس میرے وہ سمبر آیا نہیں ہنوز مقصود میرے دل کا بر آیا نہیں ہنوز

ردیف سین مہملہ

نہ کیا تو نے ایک بار افسوس حال پر میرے صد ہزار افسوس
جو کہ ہونا تھا دل پہ ہو گذرا نہ کر اے درد بار بار افسوس

ردیف الطاء

کرتا رہا میں دیدۂ گریاں کی احتیاط پر ہو سکی نہ اشک کے طوفاں کی احتیاط
خار مژہ پڑے ہیں مری خاک میں ملے اے دشت اپنے کیجیو داماں کی احتیاط
جوش جنوں کے ہاتھ سے فصل بہار میں گل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط
تیرے ہی دیکھنے کے لئے آئینہ کی طرح کرتا ہوں اپنے دیدۂ حیراں کی احتیاط
دل کے تئیں گرہ سے کبھو کھولتے نہیں ہے زلف کو بھی اپنے پریشاں کی احتیاط
داغوں کی اپنے کیوں نہ کرے درد پرورش
ہر باغباں کرے ہے گلستاں کی احتیاط

ردیف الغین

لایا نہ تھا تو آج تلک ہاتھ سوئے تیغ وابستہ میرے قتل سے تھی آبروئے تیغ

ناچار مجھ سے اس سے تو قطع کلام ہے ۔ کرتا نہیں وہ بات سوا گفتگوئے تیغ !
کیجئے نہ قتل اہل وفا جتنے ہیں یہ سب ۔ بارے کہیں ڈھکانے لگے جستجوئے تیغ
جانباز اور بھی ہیں پر اے ابروان یار ۔ میری طرح نہ ٹھہرے کوئی روبروئے تیغ
پیاسی مرے لہو کی وہ رہتی ہے دمبدم ۔ بر لائیے کبھو تو میاں آرزوئے تیغ !
کوئی مزاج داں نہ ہوا آج تک مگر ۔ اک اس کی خوئے تند سے ملتی ہے خوئے تیغ

اے دردؔ مثل زخم زمانے کے ہاتھ سے
دیکھا نہ آنکھ کھول کے ہم غیر روئے تیغ

ردیف الفاء

اے دردؔ ایک خلق ہے جانانہ کیطرف ۔ لازم ہے کیجئے دل دیوانہ کی طرف

ردیف الکاف

پیغام یاس بھیج نہ مجھ بیقرار تک ۔ ہوں نیم جان سو بھی ترے انتظار تک
دے وہ شراب ساقی کہ تا روز رستخیز ۔ جس کے نشے کا کام نہ پہنچے خمار تک
صیاد اب رہائی سے کیا مجھ اسیر کو ۔ پھر کس کو زندگی کی توقع بہار تک
بے قدر مے کشی ہوئی عالم میں یاں تئیں ۔ ہے صرف شیشہ شیخ کے رنگ مزار تک

راہ عدم میں دردؔ میں اتنا ہوں تیز رو
پہنچا صبا کا ہاتھ نہ میرے غبار تک

وله

پھرتا رہا میں سعی میں اک عمر جوں فلک ۔ بخت سیاہ پر نہ پھرے میرا اب تلک
چونکا ہوں دردؔ جب سے اسے دیکھ خواب میں ۔ لگتی نہیں ہے تب سے پلک سے مری پلک

ایضاً

نہیں میرے تئیں کسی کا باک ۔ اب گریباں ہے ہاتھ ہے اور چاک

گرد تو ہو گئے ترے عاشق ۔۔۔ کیا ستم ہو زیادہ اس سے خاک

ردیف اللام

کچھ گل ہی باغ میں تنہا شکستہ دل ۔۔۔ ہر غنچہ دیکھتا ہوں تو ہے گا شکستہ دل
ہاتھوں سے محتسب کے ہیں اب میکدے کے بیچ ۔۔۔ ساغر شکستہ خاطر و مینا شکستہ دل
شادی کی اور غم کی ہے دنیا میں ایک شکل ۔۔۔ گل کو شگفتہ دل کہو تم یا شکستہ دل
یارب درست گو نہ رہوں تیرے عہد پر ۔۔۔ بندے سے پر نہ ہو کوئی بندہ شکستہ دل
کی جس کی جوں حباب زمانے نے دلدہی ۔۔۔ چھوڑا نہ پھر اسے نہ کیا تا شکستہ دل
لازم ہے گوشۂ شکن زلف میں تری ۔۔۔ ظالم کوئی پڑا رہے مجھ سا شکستہ دل

سب خون دل ٹپک ہی گیا بوند بوند کر
اے درد بسکہ عشق سے میں تھا شکستہ دل

بارے یہ داغ عشق ہوا شہر یار دل ۔۔۔ مدت سے بے چراغ پڑا تھا دیار دل
تیری کہیں گلی کے گیا تھا خیال میں ۔۔۔ کرتا ہوں اب تلک میں انتظار دل

اٹھتا ہے بعد مرگ بھی مانند گرد باد
اے درد خاک سے مری اب تک غبار دل

ردیف المیم

حیران آئینہ وار ہیں ہم ۔۔۔ کس سے یارب دوچار ہیں ہم
پانی پہ نقش کیا ہے ایسا ۔۔۔ جیسے ناپائیدار ہیں ہم
ساقی کیدھر ہے کشتی مے ۔۔۔ اب کے کھیوے میں پار ہیں ہم
جی بھی نہ گیا کبھو نہ اپنا ۔۔۔ اتنے زار و نزار ہیں ہم
اوروں کے گو ہیں سرمۂ چشم ۔۔۔ اپنے دل کے غبار ہیں ہم
کوئی کیونکر نظر میں لاوے ۔۔۔ رشک چشم شرار ہیں ہم

آتش میں ہیں یہ مثل شعلہ — از سرتا پا بہار ہیں ہم
چشم عبرت سے دیکھ ایدھر — نقش لوح مزار ہیں ہم
جیدھر گذرے پھرے اودھر سے — آوازۂ کوہسار ہیں ہم
ازبسکہ ہیں محو لاتعین — ہر جائے اختیار ہیں ہم
مجنوں ہو خواہ کوہ کن ہو — عاشق کے دوستدار ہیں ہم
اپنے ملنے سے منع مت کر — اس میں بے اختیار ہیں ہم
یوں تو عاشق ہیں بہت ہیں لیکن — اس طور سے کتنے یار ہیں ہم

مجنوں فرہاد و درد و وامق
ایسے یہ دو ہی چار ہیں ہم

اب کی ترے در سے گر گئے ہم — پھر یہی سمجھے کہ مر گئے ہم
جوں نور نظر ترا تصور — تھا پیش نظر جدھر گئے ہم
جز اہل صفا بتا تو جوں عکس — اے آئینہ کس کے گھر گئے ہم
کس نے یہ ہمیں بھلا دیا ہے — معلوم نہیں کدھر گئے ہم
تھا عالم جبر کیا بتاویں — کس طور سے زیست کر گئے ہم
جس طرح ہوا اسی طرح سے — پیمانۂ عمر بھر گئے ہم

افسوس کہ درد اس کو جبتک
ہو وے ہی خبر گذر گئے ہم

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم — تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم
جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی — ساتھ اپنے دو چار ہو گئے ہم

ماتم کدۂ جہاں میں جوں ابر — اپنے تئیں آپ رو گئے ہم
ہستی نے تو ٹک جگا دیا تھا — پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم
یاروں ہی سے درد ہے یہ چرچا
پھر کوئی نہیں ہے جو گئے ہم

چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر شبنم — بہار باغ گو یوں ہی رہے لیکن کدھر شبنم
عرق کی بوند اس کی زلف سے رخسار پر ٹپکی — تعجب کی ہے جاگہ یہ پڑی خورشید پر شبنم
ہمیں تو باغ تجھ بن خانۂ ماتم نظر آیا — ادھر گل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی ادھر شبنم
کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی — ہوئی آتش سی گل کے بیٹھتے رشک شرر شبنم
بھلا ٹک صبح ہوتے وہ اسے بھی دیکھ لیوینگے — کسی عاشق کے رونے سے نہیں رکھتی خبر شبنم
نہیں اسباب کچھ لازم سبکساروں کے اٹھنے کو — گئی اڑ دیکھتے اپنے بغیر از بال و پر شبنم
نہ پایا جو گیا اس باغ سے ہرگز سراغ اس کا — نہ پلٹی پھر صبا ایدھر نہ پھر آئی نظر شبنم
نہ سمجھا درد ہم نے بھید یاں کی شادی و غم کا
سحر خنداں ہے کیوں روتی ہے کیکو یاد کر شبنم

ولہ

کیا کہیں سوئے فنا کس طور کر جاتے ہیں ہم — شمع کے مانند سر کے بل ادھر جاتے ہیں ہم
ہے کسے جوں شعلہ ظالم آہ تاب انتظار — جب تلک دیکھے ادھر تو یاں گذر جاتے ہیں ہم

فرد

خلق میں ہیں پر جدا سب خلق سے رہتے ہیں ہم — تال کی گنتی سے باہر جیسطرح روپک ہیں ہم

ردیف النون

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں — یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں

بسان کاغذ آتش زدہ مرے گلرو
ترے جلے بھنے اور ہی بہار رکھتے ہیں

یہ کس نے ہم سے کیا وعدۂ ہم آغوشی
کہ مثل بحر سراسر کنار رکھتے ہیں

ہمیشہ فتح نصیبی ہمیں نصیب رہی
جو کچھ کہ اچھی ہے جی میں سو مار رکھتے ہیں

بلا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ
سب اہل قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں

جہاں کے باغ سے ہم دل سوا نہ پھل پایا
فقط یہی ثمر داغدار رکھتے ہیں

اگرچہ دختر رز کے ہیں محتسب درپے
جو ہو سو ہو پر اسے اپنو یار رکھتے ہیں

برنگ شعلہ غم عشق ہم سے روشن ہے
کہ بیقرار کو ہم برقرار رکھتے ہیں

ہمارے پاس ہے کیا جو کریں فدا تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

فلک سمجھ تو سہی ہم سے اور گلہ گیری
یہ ایک جیب سے سو تار تار رکھتے ہیں

بتوں کے جبر اٹھائے ہزار ہا ہم نے
جو اس پہ بھی نہ ملیں اختیار رکھتے ہیں

بھری ہی آ کے جنھوں میں ہوائے آزادی
حباب وار کلہ بھی اتار رکھتے ہیں

نہ برق ہیں نہ شرر ہم نہ شعلہ نہ سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

جنھوں کے دلمیں جگہ کی ہے نقش عبرت نے
سدا نظر میں وہ لوح مزار رکھتے ہیں

ہر ایک سنگ میں ہے شوخیٔ بتاں پنہاں
خنک ہیں سب یہ پہ دلمیں شرار رکھتے ہیں

وہ زندگی کی طرح ایک دم نہیں رہتا
اگرچہ درد اسے ہم ہزار رکھتے ہیں

مژگان تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے زور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

ہر شام مثل شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں

کرتی ہے بوئے گل تو مرے ساتھ اختلاط
پر آہ میں تو موج نسیم وزیدہ ہوں

یہ چاہتی ہے تو تپش دل کہ بعد مرگ / کنج مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غم زدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

آ ناشناس ترے مفت موئے جاتے ہیں / اک نظر دیکھ لے سو بھی ہو وے تو جی پاتے ہیں
گو سلامت ہوں میں ظاہر میں پہ دیکھے خطرات / رات دن گھن کی طرح تیرے تئیں کھاتے ہیں
تو بھی اے پائے طلب ٹک تو بھلا خواب سے چونک / اپنے ہی نوع سے ہیں وہ جو پہنچ جاتے ہیں
ہم سے بیکاروں سے بہتر ہیں یہ اہل اشغال / ہر طرح دل کے تئیں اپنے تو بہلاتے ہیں

درد کس طرح وہ ہو جاتے ہیں کچھ اور کے اور
تیرے ازخود شدگاں جب کہ بخود آتے ہیں

گر دیکھیے تو مظہر آثار بقا ہوں / اور سمجھیے جوں عکس مجھے محو فنا ہوں
کرتا ہوں سبب از مرگ بھی حل مشکل عالم / بیحس ہوں یہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں
ممنون مرے فیض سے سب اہل نظر ہیں / جوں نور ہر اک چشم کا دیدار نما ہوں
ہے آستر فقر اگر سمجھو تو شاہی / سلطاں ہی اگر شاہ تو میں ظل ہما ہوں
ہے مظہر انوار صفا میری کدورت / ہر چند کہ آہن ہوں پر آئینہ نما ہوں
احوال دو عالم ہے مرے دل پہ ہویدا / سمجھا نہیں تا حال پر اپنے تئیں کیا ہوں
آواز نہیں قید میں زنجیر کی ہرگز / ہر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں

ہوں قافلہ سالار طریق قدما درد
جوں نقش قدم خلق کو میں راہ نما ہوں

نہ ہم غافل ہی رہتے ہیں نہ کچھ آگاہ ہوتے ہیں
انھیں طرحوں میں ہم ہر دم فنا فی اللہ ہوتے ہیں

تقیدگاہ امکاں میں وہ کچھ بخشش مطلق
کہ ہر واحد کو لاکھوں دام یاں تنخواہ ہوتے ہیں

عزیز حسن کم ہوتا نہیں کچھ خط کے آنے سے
کہ یہ سب مور چیونٹے بھی سلیماں جاہ ہوتے ہیں

اگر جمعیت دل ہے تجھے منظور قانع ہو
کہ اہل حرص کے کب کام خاطر خواہ ہوتے ہیں

پر یکھا درد نہ کچھ مت رکھ ترقی اور تنزل کا
کہ اپنے ذہن میں یاں تو گدا بھی شاہ ہوتے ہیں

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
آوے بھی اگر ہزار جی میں

بیزار ہے مجھ سے تو پہ تجھ کو
اب تک ہے وہی پیار جی میں

گل اب تو ملے ہیں ہنس کے لیکن
بلبل پہ چبھیں گے خار جی میں

یوں پاس بٹھا جسے تو چاہے
پھر جا گہ نہ دیجیو یار جی میں

کیا فائدہ درد شور و شر سے
اچھے ہے جو کچھ سو مار جی میں

ہر چند تری سمت سوا راہ ہی نہیں
تس پر بھی آہ یاں کوئی آگاہ ہی نہیں

وہ مرتبہ ہی اور ہے فہمیدہ کے پرے
ہم جس کو بوجھتے ہیں وہ اللہ ہی نہیں

ہم بھی فلک سے کرتے کسی چیز کی طلب
ڈھونڈھا پر اپنے دل میں تو کچھ چاہ ہی نہیں

انساں کی ذات سے ہیں خدائی کے کھیل یاں
بازی کہاں بساط پہ گر شاہ ہی نہیں

سو رنگ سے ہیں جلوہ نما گو بتان خلق
اپنا ترے سوا کوئی دل خواہ ہی نہیں

گر کہتے ہو کہ ہو تمہی ہادی وہی مضل
تو راہ پر ہیں سب کوئی گمراہ ہی نہیں

اے درد مثل آئینہ ڈھونڈھ اسکو آپ میں
بیرون در تو اپنی قدم گاہ ہی نہیں

ہستی ہے جب تلک ہم ہیں اسی اضطراب میں
جوں موج آ پھنسے ہیں عجب پیچ و تاب میں

نے خانۂ خدا ہے نہ یہ بتوں کا گھر
رہتا ہے کون اس دل خانہ خراب میں

آئینۂ عدم ہی میں ہستی ہے جلوہ گر
ہے موجزن تمام یہ دریا حباب میں

غافل جہاں کی دید کو مغت نظر سمجھ
پھر دیکھنا نہیں ہے اس عالم کو خواب میں

ہر جزو کل کے ساتھ بمعنی ہے اتصال
دریا سے دُر جدا ہے پہ ہے غرق آب میں

پیری نے ملک و تن کو اُجاڑا و گرنہ یاں
تھا بند و بست اور ہی عہد شباب میں

میں اور درد مجھ سے خریداری بُتاں
ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں
ہم آئینے کے سامنے جب آکے ہو کریں

تردامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سر تا قدم زبان ہیں جوں شجع گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

ہر چند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں ناقبول
منھ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں

نے گل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار
کس بات پر چمن ہوس رنگ و بو کریں

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدان شہر
اے درد آکے بیعت دست سبو کریں

نہ زلف بتاں کا گرفتار ہوں میں
نہ بیمار چشموں کا بیمار ہوں میں

کدھر بہکی پھرتی ہے اے بیکسی تو
تری جنس کا یاں خریدار ہوں میں

اُدھر بات کہنا اِدھر دیکھ لینا
سمجھتا ہوں سب ایک عیار ہوں میں

اگر مجھ سے ملئے کبھو عیب کیا ہے — نہ بد وضع تو ہے نہ بدکار ہیں ہوں
کبسو پر بلا تیری تیوری چڑھاوے — تری تیغ ابرو کا اونگار ہیں ہوں
سبھی اپنے جینے سے اے دردؔ خوش ہیں
مگر ہوں تو یہ ایک بیزار ہیں ہوں

ان نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں — پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں
آ جائے ایسے جینے سے اپنا تو جی تبنگ — جیتا رہے گا کب تئیں اے خضر مر کہیں
پھرتی رہی تڑپتی ہی عالم میں جا بجا — دیکھا نہ میری آہ نے روئے اثر کہیں
مدّت تلک جہان میں ہنستے پھرا کئے — جی میں ہے خوب روئیے اب بیٹھ کر کہیں
یوں تو نظر پڑے ہیں تن آدگار اور بھی — دل ریش کوئی آپ سا دیکھا نہ پر کہیں
ظالم جفا جو چاہے سو کر مجھ پہ تو ولے — پچھتاوے پھر تو آپ ہی ایسا نہ کر کہیں
پھرتے ہو سج بنائے تو اپنی جدھر تدھر — لگ جاوے دیکھیو نہ کسو کی نظر کہیں
پوچھا میں دردؔ سے کہ بتا تو سہی مجھے — اے خانماں خراب ہے تیرا بھی گھر کہیں
کہنے لگا مکان معین فقیر کو — لازم ہے کیا کہ ایک ہی جا گہ ہو پر کہیں
درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست
تو نے سُنا نہیں ہے یہ مصرع مگر کہیں

بے زباں ہے بدہ زباں سوسن — اس چمن میں کسے مجال سخن
یاوری دیکھیے نصیبوں کی — دوست بھی ہو گئے مرے دشمن
ساقی اس وقت کو غنیمت جان — پھر نہ میں ہوں نہ تو نہ یہ گلشن
وہ زخود رفتہ ہوں کہ میرے تئیں — نہ خیال سفر نہ یاد وطن

کیا کہوں اپنی میں سیہ بختی — حال دل تجھ پہ ہو و لگا روشن
بعد مدت کے دردؔ کل مجھ سے — مل گیا راہ میں وہ غنچہ دہن
میری اس کی جو لڑ گئیں آنکھیں
ہو گئے آنکھوں ہی میں دو دو بچن

باغ جہاں کے گل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں — گر یار ہیں تو ہم ہیں اغیار ہیں تو ہم ہیں
دریائے معرفت کے دیکھا تو ہم ہیں ساحل — گر وار ہیں تو ہم ہیں در پار ہیں تو ہم ہیں
وابستہ ہے ہمیں سے گر جبر ہے وگر قدر — مجبور ہیں تو ہم ہیں مختار ہیں تو ہم ہیں
تیرا ہی حسن جگ میں ہر چند موجزن ہے — تس پر بھی تشنہ کام دیدار ہیں تو ہم ہیں
الفاظ خلق ہم بن سب مہملات سے تھے — معنی کی طرح ربط گفتار ہیں تو ہم ہیں
اوروں سے تو گرانی یک لخت اٹھ گئی تھی
اے دردؔ اپنے دل کے گر بار ہیں تو ہم ہیں

جمع ہیں افراد عالم ایک ہیں — گل کے سب اوراق برہم ایک ہیں
ہو وے کب وحدت میں کثرت سے خلل — جسم و جاں گو دو ہیں پر ہم ایک ہیں
نوع انساں کی بزرگی سے ٹک ایک — حضرت جبریل محرم ایک ہیں
دال ہے اس پر بھی قرآں کا وجود — بات کی تفہیم میں ہم ایک ہیں
متفق آپس میں ہیں اہل شہود
دردؔ آنکھیں دیکھ باہم ایک ہیں

نہ ہم کچھ آپ طلب نے تلاش کرتے ہیں — جو کچھ کہ یاں ہے مقدر معاش کرتے ہیں

مثالِ عکس جو کوئی کہ پاک طینت ہیں   جہاں صفا ہی وہیں بود و باش کرتے ہیں
ہماری اتنی ہی تقصیر ہے کہ اے زاہد   جو کچھ ہے دل میں ترے ہم وہ فاش کرتے ہیں
مزاج نازک دل سے اگر مکدر ہو   یہ آئینہ ہم ابھی پاش پاش کرتے ہیں

یہ تیرے شعر نہیں اے دردؔ یا کہ نالے ہیں
جو اس طرح سے دلوں کو خراش کرتے ہیں

کام مردوں کے جو ہیں سو وہی کر جاتے ہیں   جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں
موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے   مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
دید وادید جو ہو جائے غنیمت سمجھو   جوں شرر ورنہ ہم اے اہلِ نظر جاتے ہیں
آنکھیں اس بزم میں سینکی ہیں جنھوں نے ٹک بھی   شمع کی طرح گریبان لئے تر جاتے ہیں
بے ہنر دشمنیٔ اہلِ ہنر سے آخر   منہ پہ جو چڑھتے تو ہیں پر دل سے اتر جاتے ہیں
ہم کسی راہ سے واقف نہیں جوں نورِ نظر   رہنما تو ہی تو ہوتا ہے جدھر جاتے ہیں
اے رگِ ابر یہ مژگاں بھی اگر ٹک برسیں   ایک پل میں کئی تالاب تو بھر جاتے ہیں
آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز   لوگ جاتے ہیں چلے سو کدھر جاتے ہیں

تا قیامت نہیں مٹنے کا دلِ عالم سے
دردؔ ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

اپنی قسمت کے ہاتھوں داغ ہوں میں   نفسِ عیسوی چراغ ہوں میں
ہوں فتادہ بہ رنگِ نقشِ قدم   رفتگاں کا مگر سراغ ہوں میں
دونوں عالم سے کچھ پرے ہے نظر   آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں
میں ہوں گلچینِ گلستانِ خلیل   آگ میں ہوں پہ باغ باغ ہوں میں

عین کثرت میں دید وحدت ہے
نیند میں درد با فراغ ہوں میں

مرتا نہیں ہوں کچھ میں اس سخت دل کے ہاتھوں
پستا ہوں آپ اپنے کمبخت دل کے ہاتھوں

نالاں نہیں ہے تنہا اس راہ میں جرس تو
رونے گئے ہیں کتنے یکلخت دل کے ہاتھوں

ہمت رفیق ہووے تو فقر سلطنت ہے
آتا ہے ہاتھ یعنی یاں سخت دل کے ہاتھوں

اے غنچہ تجھ سے آگے جو کچھ کہ تھا گرہ میں
گل یاں لٹا گئے ہیں کل رخت دل کے ہاتھوں

اے درد آہ پھر پھر آتا ہی ہے جی میں
پستا ہوں آپ اپنے کمبخت دل کے ہاتھوں

جی نہ اٹھوں کہیں پھر میں جو تو مار دامن
جھاڑ مت خاک پہ میرے یہ غبار دامن

دامن دشت ہے پُر لالہ و گل سے یارب
خون عاشق بھی کہیں ہووے بہار دامن

ہم کہ دامن سے لگے ہیں نہ کہیں چھوٹ دیں
ہر گھڑی کھینچ نہ بے رحم کنار دامن

تار باندھا مرے اشک نے یاں تک جوں شمع
ہے وہی تار گریباں وہی تار دامن

جب وہ چاہے ہے کہ دامن کو اٹھا کر چلیے
ہنس کے رکھتا مری گردن پہ ہے بار دامن

فرش رہ آنکھیں تو کیں جن نے پہ میرے مژگاں
خار پا ہو دیں کسو کے نہ یہ خار دامن

درد تو کون ہے جو گرد جھٹکنے پائے
دور دامن ہے ترا صدقے نثار دامن

کیوں نہ ڈوبیں رہیں یہ دیدۂ تر پانی میں
یاں بنا مثل حباب اپنا تو گھر پانی میں

اشک کے میرے فقط دامن صحرا ہیں تر
کوہ بھی سب ہیں کھڑے تا بہ کمر پانی میں

مژہ نم دیدہ مرے اشک میں یوں رہتے ہیں — کب یہ گذران کرے اور لبِ تر پانی میں
آتشِ مے سے جو ساقی نے اسے بھڑکایا — زاہدِ خشک ہوا خوب ہی تر پانی میں
چشمۂ آب نہ ہو چشمۂ خورشید سے کم — شعلہ رو تو کبھو منھ دیکھے اگر پانی میں
جس طرف چاہوں چلوں یاں وہ سراب تاں ہے — وہم کہتا ہے کہ اب پاؤں نہ دھر پانی میں
عالم آب میں جوں آئینہ ڈوبا ہی رہا
تو بھی دامن نہ کیا دردؔ نے تر پانی میں

معلوم نہیں آنکھیں یہ کیوں پھوٹ بہی ہیں — رونے کی طرف کس لئے یہ ٹوٹ بہی ہیں
کشتی کی طرح آنکھیں مری اشک میں یارو — جس تار نگہ سے بندھی تھی چھوٹ بہی ہیں
میں مثل حباب آنکھیں تو رو رو کے بہا دیں — پر وہ یہی کہتا ہے سدا جھوٹ بہی ہیں
ہر سبزہ یہ کس جلوہ سے ہوئیں آنکھیں جو اتنا — دریا کی طرح کھیت مرا لوٹ بہی ہیں
اے دردؔ سمجھ ہیچ نہ ان آنکھوں کا بہنا
چھاتی کی طرح دل کو مرے کوٹ بہی ہیں

گھر تو دونوں پاس ہیں لیکن ملاقاتیں کہاں — آمد و رفت آدمی کی ہے پہ وہ باتیں کہاں
ہم فقیروں کی طرف بھی تو نگاہیں دمبدم — پھینکتے جاتے تھے آپ آگے وہ خیراتیں کہاں
بعد مرنے کے مرے ہو گی مرے رونے کی قدر — تب کہا کیجئے گا لوگوں سے وہ برساتیں کہاں
یوں تو ہے دن رات میرے دل میں ہی اسکا خیال — جن دنوں اپنی بغل میں تھا سو وہ راتیں کہاں
جس طرح سے کھیلتا ہے وہ دلوں کا یاں شکار.
دردؔ آتی ہیں کسی دلبر کو وہ گھاتیں کہاں

مجھے در سے اپنے تو ٹالے ہے یہ بتا مجھے تو کہاں نہیں
کوئی اور بھی ہے ترے سوا تو اگر نہیں تو جہاں نہیں

پڑی جس طرف کو نگاہ یاں نظر آگیا ہے خدا ہی واں
یہ ہیں گو کہ آنکھوں کی پتلیاں مرے دل میں جائے بتاں نہیں

مرے دل کے شیشے کو بیوفا تو نے ٹکڑے ٹکڑے ہی کر دیا
مرے پاس تو وہی ایک تھا یہ دوکان شیشہ گراں نہیں

مجھے رات ساری ہے بیتر ے یاں کٹے کیونکہ روئے نہ شمع ساں
کہ نہ ہوسکے ہے کچھ اب بیاں یہ وہ بات ہے کہ زباں نہیں

کوئی سمجھے کیونکہ یہ مدعا کہ پہیلی سا ہے یہ ماجرا
کہا میں تجھے نہیں چاہ کیا لگا کہنے مجھ سے کہ ہاں نہیں

نہ ملا ہمیں کوئی نکتہ داں یہ بہت سنا دیں بھلا کہاں
نہ ہوا سبھوں پہ وہی عیاں جو کسی سے یاں تو نہاں نہیں

تجھے درد کیونکہ سناؤں میں نہ خدا کسی کو دکھائے یہ
جو کچھ اپنے جی پہ گذرتی ہے کہوں کیا کہ اس کا بیاں نہیں

دل کو لیجاتی ہیں معشوقوں کی خوش اسلوبیاں
ورنہ ہیں معلوم ہمکو سب انھوں کی خوبیاں

صورتوں میں خوب ہوں گی شیخ گو حور بہشت
پر کہاں یہ شوخیاں یہ طور یہ محبوبیاں

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

آپ تو کھوئی ہیں مگر اس کا بھی کیا خانہ خراب!
درد نہ اپنے ساتھ آنکھیں دل کو بھی لے ڈوبیاں

نزع میں تو ہوں دلے تیرا گلہ کرتا نہیں — دل میں ہے وہ ہی وفا پر جی وفا کرتا نہیں
سعی بے جا مت کرو مہر و وفا وہ شوخ تو — جی کو ان باتوں سے ہرگز آشنا کرتا نہیں
کونسی شب ہے کہ مثل شمع جب کھلتی ہے آنکھ — جائے اشک آنکھوں سے اپنی خوں گرا کرتا نہیں

عشوہ و ناز و کرشمہ ہیں سب ہی جاں بخش لیک
درد مرتا ہے کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

پڑے جوں سایہ ہم تجھ بن ادھر اُدھر بھٹکتے ہیں
جہاں چاہیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے ہیں
بتا وہ کون ہے جو تیری مجلس میں نہیں ہوتا
مگر یہ ایک ہم ہی ہیں جو تیری نظروں میں کھٹکتے ہیں
نہیں معلوم کیا ہوگا یہ دل اس زلف میں اُلجھا
جہاں اے درد ایسے تو ہزاروں ہی لٹکتے ہیں

آہ پردہ تو کوئی مانع دیدار نہیں — اپنی غفلت کے سوا کچھ در و دیوار نہیں
ہم سے دل مردہ اگر رات کو جاگے تو کیا — چشم بیدار تو ہے پر دل بیدار نہیں

درد یاں دو ہی پیالوں میں قناعت کیجے
خانۂ چشم ہے یہ خانۂ خمار نہیں

اے ہجر کوئی شب نہیں جس کو سحر نہیں — پر صبح ہوتی آج تو آتی نظر نہیں
دل لے گیا پر ایک نہ کی اس طرف نگاہ — ایسا تو دلبروں میں کوئی مفت بر نہیں
کہ کونسا ہے دامن صحرا جہان میں — اے درد آنسوؤں سے جو تیرے وہ تر نہیں

مرے ہاتھوں کے ہاتھوں اے عزیزاں / گریباں چاک ہے چاکِ گریباں
کھلا ہے باب عرفاں جس کے اوپر / اسے ہے ہر ورق گل کا گلستاں
صبا جاتا ہوں گریاں میں چمن سے / گلوں کو باغ میں رکھیو تو خنداں

ولہ

گرچہ ہم مردہ دل اے جانِ جہاں جیتے ہیں / تجھ بن اے وائے جو تجھے تو کہاں جیتے ہیں
زندگی جس سے عبارت ہے سو وہ زیست کہاں / یوں تو کہنے کے تئیں کہئے کہ ہاں جیتے ہیں
بعد مرنے کے بھی وہ بات نہیں آتی نظر / جس توقع پہ کہ ہم اب تئیں یاں جیتے ہیں

دل تو سمجھائے سمجھتا بھی نہیں / کہئے سودا ہے تو سودا بھی نہیں
اس کی باتیں مجھ سے کیا پوچھو ہو تم / مدتیں گذریں کہ دیکھا بھی نہیں
داد کو تو پہونچنا معلوم ہے / کوئی یاں فریاد سنتا بھی نہیں

ہیں تو سب باتیں نصیحت کی کہیں / پر اثر ہوتا ہے دل کے تئیں کہیں
جس کے بن دیکھے نہ نیند آتی نہیں / خواب میں بھی دیکھتے اس کو نہیں
صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں / ہے دفینہ حسن کا زیرِ زمیں
آگے ہی بن کہے تو کہے ہے نہیں نہیں / تجھ سے ابھی تو ہم نے وہ باتیں کہیں نہیں

ہیں معنی بلند مرے عرش سے پرے
مت کہہ کہ بات درد کی کرسی نشیں نہیں

وہ نگاہیں جو چار ہوتی ہیں / برچھیاں ہیں کہ پار ہوتی ہیں
بے وفائی پہ اس کی دل مت جا / ایسی باتیں ہزار ہوتی ہیں

اگر ہیں نکتہ رسی سے ترا دہاں پاؤں | کمر کو چاہوں تو اس کے نہیں کماں پاؤں
یہ رات شمع سے کہتا تھا درد پروانہ | کہ حال دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں

دل میں رہتے ہو پر آنکھوں بیچ نا مقدور نہیں | گھر سے در والے تلک آؤ تو چنداں دور نہیں
چاہتے ہو تو جہاں جل جائیں اک شعلہ کیا تھ | درد ایسی سرد آہیں عشق میں منظور نہیں

زلفوں میں تو سدا سے یہ کج ادائیاں ہیں | آنکھوں نے پر یہ اور ہی آنکھیں دکھائیاں ہیں
ہے اپنے جی میں جو کچھ تم جانو یا نہ جانو | پر سب تمہاری باتیں اب ہم نے پائیاں ہیں

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں | زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں
دیکھ میرے ضعف کو کہنے لگا رو کر طبیب | کوئی دم میں یہ بھی اس کی ناتوانی پھر کہاں

ولہ

کب دہن میں ترے سمائے سخن | نہیں تیرے دہن میں جائے سخن
شعر میں میرے دیکھنا مجھ کو | ہے مرا آئینہ صفائے سخن

کہیں ہوئے ہیں سوال و جواب آنکھوں میں | یہ بے نہیں ہم سے حجاب آنکھوں میں
کرے ہی مست نگاہوں میں ایک عالم کو | لئے پھرے ہے یہ ساقی شراب آنکھوں میں

ہر دم بتوں کی صورت رکھتا ہے دل نظر میں | ہوتی ہے بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں
ایسا ہی غم نے تیرے پامال کر دیا ہے
کچھ دل رہا نہ دل میں نے کچھ جگر جگر میں

افراد

اس ذکر سے بھی مجھکو کیا کام دل کے ہاتھوں
لیتا نہیں کسو کا بس نام دل کے ہاتھوں

نہیں ہمکو تمنّا یہ ملک ہو تا فلک پہونچیں
یہی ہے آرزو دل کی ترے قدموں تلک پہونچیں

نزع میں ہوں پہ وہی نالے کئے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لئے جاتا ہوں

افسوس اہل دید کو گلشن میں جا نہیں
نرگس کی گو کہ آنکھیں ہیں پر سوجھتا نہیں

شیخ میں رشک بیگناہی ہوں
مورد رحمت الٰہی ہوں

ردیف الواؤ

مانع نہیں ہم وہ بت خود کام کہیں ہو
پر اس دل بیتاب کو آرام کہیں ہو

خورشید کے مانند پھروں کب تئیں یارب
نت صبح کہیں ہووے مجھے شام کہیں ہو

میخانۂ عالم ہے وہ ربط کہ جس میں
ہووے جو صراحی کہیں کو جام کہیں ہو

وعدے تو مرے ساتھ کئے تونے ہزاروں
پر ایک بھی اتنوں میں سرانجام کہیں ہو

ہر چند نہیں صبر تجھے درد ولیکن
اتنا بھی نہ ملیو کہ وہ بدنام کہیں ہو

کیا فرق داغ و گل میں کہ جس گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

ہووے نہ حول قوت اگر تیرے درمیاں
جو ہم سے ہو سکے ہے سو ہم سے کبھو نہ ہو

جو کچھ کہ ہم نے کی ہے تمنّا ملی مگر
یہ آرزو رہی ہے کہ کچھ آرزو نہ ہو

جوں شمع جمع ہوویں گر اہل زباں ہزار | آپس میں چاہیئے کہ کبھی گفتگو نہ ہو
جوں صبح چاک سینہ مرا اے رفوگراں | یاں تو کسو کے ہاتھ بھی ہرگز رفو نہ ہو

اے دردؔ زنگ صورت اگر آئیں جا کرے
اہلِ صفا میں آئینہ دل کو رو نہ ہو

سمجھنا فہم گر کچھ ہے طبیعی سے الٰہی کو | شہادت غیب کی خاطر تو حاضر ہے گواہی کو
نہیں ممکن کہ ہم سے ظلمت امکان زائل ہو | چھڑا دے آہ کوئی کیونکر زنگی سے سیاہی کو
عجب عالم ہے ادھر سے ہمیں ہستی ستاتی ہے | ادھر سے نیستی آتی ہے دوڑی عذر خواہی کو
نہ رہ جاوے کہیں تو زاہدا محروم رحمت سے | گنہگاروں میں سمجھا کر نہ اپنی بیگناہی کو

نہ لازم نیستی اس کو نہ ہستی ہی ضروری ہے
بیاں کیا کیجئے اے دردؔ ممکن کی تباہی کو

مجلس میں بار ہووے نہ شمع و چراغ کو | لاویں اگر ہم اپنے دل داغ داغ کو
جاتی تو ہے تو زلف کے کوچہ کو اے صبا | پر نہ دیکھیو جو چھیڑے ہے دماغ کو
بس بار دل زیادہ نہ ہو حسرت چمن | کیدھر لئے پھروں گا میں گلگشت باغ کو
بلبل کی طرح رشتۂ الفت میں بیچ دل | منہ دھوا نہ دیکھیو کہیں بال فراغ کو
کیا چھپ رہی ہے پردۂ مینا میں دخت رز | روشن کر اپنے جلوے سے چشم ایاغ کو
تمیز بے تمیزی عالم کرے ہے کب | نالہ سے عندلیب کے یاں بانگ زاغ کو

اے دردؔ رفتہ رفتہ کیا آپ کو بھی گم
اس راہ میں چلا تھا میں کس کے سراغ کو

مست ہوں پیر مغاں کیا مجھکو فرماتا ہے تو — پائنوں میں خم کروں یا دست بوسی سبو
صبح اور خورشید کے مانند میری جیب کو — چاک کا موجب ہے تو ہی تو ہی اسباب رفو
مال دینا اس کو نت ہر طرح جوں قبلہ نما — پھر مجھے ہر پھر کے آ رہنا اسی کے روبرو
اور افزونی طلب کی بعد مرنے کے ہوئی — خاک ہونے نے کیا ہر ذرہ گرم جستجو
تیری خوں آشامیاں مشہور ہیں اے تیغ ناز — ایک قطرہ چھوڑے تو ہووے ہمارا ہی لہو
جس طرح سے صبح کو ہوتا ہے بے رونق چراغ — دیکھ تجھ کو اڑ گیا گلشن میں گل کا رنگ و بو
اور ہوں آمادۂ تیغ آزادگی یہ بے پرست — سر اگر کاٹے انھوں کا محتسب مثل کدو
بات اہل دید سے کرتے ہیں یاں روشن ضمیر — نت زبان شمع کو بھی چشم سے ہے گفتگو
صورت تقلید میں کب معنی تحقیق ہیں — رنگ گو ہے پر گل تصویر میں کیدھر ہے بو

سیکڑوں ہی تخم سے اس باغ میں نکلے نہال
تخم دل کی بر نہ آئی درد لیکن آرزو

ملاؤں کسکی آنکھوں سے کہو اس چشم حیراں کو — عیاں جب ہر جگہ دیکھوں ہوں اسکے راز پنہاں کو
تجھے اے شمع کیا دیکھوں زمانہ تو دکھاتا ہے — ہمیں جوں کاغذ آتش زدہ اوری چراغاں کو
نہ تنہا کچھ یہی اطفال دشمن ہیں دوانوں کے — بھرے ہے کوہ بھی دیکھا تو یاں پتھر سے داماں کو
چمکتے ہیں ستارے کی طرح سوراخ سینے کے — چھپایا گو کہ جوں خورشید میں نے داغ پنہاں کو

نہ واجب ہی کہا جاوے نہ صادق ممتنع اس پر
کیا تشخیص کچھ ہم نے نہ ہرگز شخص امکاں کو

نہ مطلب ہے گدائی سے نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو — الٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضی الٰہی ہو
نگینے کے سوا کوئی بھی ایسا کام کرتا ہے — کہ ہو نام اور کا روشن اور اپنی روسیاہی ہو

نہیں شکوہ مجھے کچھ بیوفائی کا تری ہرگز
گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

ولہ

اے دردیاں کسو سے نہ دلکو پھنسائیو
لگ چلیو سب سے یوں تو پہ جی مت لگائیو
میں دل کے ساتھ کب تئیں کشتی لڑا کروں
اب اختیار ہاتھ سے جاتا ہے آئیو

اپنے بندہ پہ جو کچھ چاہو تو بیداد کرو
یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو
نہ کہیں عیش تمہارا بھی منغص ہووے
نہ دوستاں ورنہ کو محفل میں نہ تم یاد کرو

کہنا ٹک اشتیاق تو رفتار یار کو
آنکھوں میں کب تلک میں رکھوں انتظار کو
ویسا ہی اب تلک ہے وہ دامن تو اے صبا
کیدھر لئے پھرے ہے تو میرے غبار کو

سر رشتہ نگار تغافل نہ توڑیو
اے ناز اس طرف سے نہ منہ اس کا موڑیو
جاوے در قفس سے یہ بے بال و پر کہاں
صیاد ذبح کیجیو پر اس کو نہ چھوڑیو

دے بے جو کچھ کہ شیشہ میں باقی شراب ہو
ساقی ہے تنگ عرصۂ فرصت شتاب ہو
کہتا ہے آئینہ کہ نہیں ہے بعید اگر
دوران کے ہاتھ سے دل آہن بھی آب ہو

کبھو ہمنے نہ پایا مہرباں او تندخو تجھکو
نہ دیکھا آنکھ بھر کے ایک دم خورشید رو تجھکو
تمنا ہیں مبدل حسرتوں سے ہو گئیں دل میں
رہی تو بھی نہ ملنے کی ہماری آرزو تجھکو

دل نالاں کو یاد کرکے صبا
اتنا کہنا جہاں وہ قاتل ہو

نیم بسمل کوئی کسو کو چھوڑ
اس طرح بیٹھتا ہے غافل ہو

فرد

میں نہیں کہتا کہیں تم اور مت جایا کرو
بندہ پرور اس طرف کو بھی کبھی آیا کرو

ردیف الہا

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں ہوں ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ

ہم گلشن دوراں میں اے غفلتگی طالع
سرسبز تو ہیں لیکن جوں سبزۂ خوابیدہ

اے شور قیامت رہ اودھر ہی میں کہتا ہوں
چونکے نہ ابھی یاں سے کوئی دل شوریدہ

اوروں سے تو ہنستے ہو نظروں ہی ملا نظریں
ایدھر کو نگہ کوئی پھینکی بھی تو دزدیدہ

مجھ پر بھی تو یہ عقدہ تو کھول صبا بارے
زلفوں نے کسے بھیجا یہ نامۂ پیچیدہ

بدخواہ سب ہی عالم گو ہووے تو ہو لیکن
یارب نہ کسی کے ہوں دشمن یہ دل و دیدہ

کرتا ہے جگہ دل میں جوں ابرو پیوستہ
اے درد یہ تیرا تو ہر مصرعۂ چسپیدہ

رکھتی ہی میرے غنچۂ دل میں وطن گرہ
تجھ سے نہ کھل سکے گی صبا یہ کٹھن گرہ

چشم کشادہ کار کسو سے نہیں مجھے
رکھتا ہوں میں بساں گہر جملہ تن گرہ

پہونچے گر اس طرف کو تری زلف کی شمیم
نافے ہی میں ہو نکہت مشک ختن گرہ

اپنی اگر گرفتہ دلی ذکر کیجئے
ہو سبحہ وار خاطر یک انجمن گرہ

ہر چند سعی میں سدا ناخن ہلال
کھلتی ہے پر سپہر کی کوئی کہن گرہ

جب چاہتا ہے عقدۂ دل تجھ پہ کھولئے
ہوتا ہے آ زباں پہ میری سخن گرہ

تنگی سے تن کے جامہ کی ہوتا ہی دل خفا
ہی جوں حباب جاں پہ یہ پیرہن گرہ

هر چند کھولی تو نے تو پھر کے جی سی گانٹھ
شیریں کے دل سی پر نہ کھلی کوہکن گرہ!

کیونکہ یہ کار عشق گرہ در گرہ نہ ہو
یاں دل گرہ کی شکل ہی اور واں دہن گرہ

جیتا کسی کو چھوڑے نہ یہ گانٹھ زہر کی
زلف سیاہ وہ سانپ ہی جس کا ہی من گرہ

واشد کبھو تو درد کے بھی ساتھ چاہئے
بند قبا سے کھول ٹک اے گلبدن گرہ

ربط ہے ناز بتاں کو مری جاں کیساتھ
جی ہی وابستہ مرا ان کی ہر اک آن کیساتھ

اپنے ہاتھوں کے بھی ہیں زور کا دیوانہ ہوں
رات دن کشتی ہی رہتی ہے گریبان کیساتھ

جو جفا جو ہیں انھیں سنگدلی لازم ہے
کام تلوار کو رہتا ہے سدا سان کیساتھ

گر مسیحا نفسی ہی بھی مطرب تو خیر
جی ہی جاتے ہیں چلے تیری ہر اک آن کیساتھ

درد ہر چند میں ظاہر میں تو ہوں مور ضعیف
زور نسبت ہے نہ لے مجھ کو سلیمان کیساتھ

کاش تا شمع نہ ہوتا گذر پروانہ
تم نے کیا قہر کیا بال و پر پروانہ

شمع کے صدقے تو ہوتے ابھی دیکھا تھا اُسے
پھر جو دیکھا نہ پایا اثر پروانہ

گر ترا حسن برشتہ نظر آجائے اُسے
نت رہے آگ ہی میں سوز جگر پروانہ

کیوں اسے آتش سوزاں میں لئے جاتی ہی
سوجھتا بھی ہی تجھے کچھ نظر پروانہ

ایک ہی جست میں لی منزل مقصود اس نے
رہرو ور شک کی جا ہے سفر پروانہ

شمع تو جل بھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھ لے درد میں کس سے خبر پروانہ

دل پہ بے اختیار ہو کر آہ
تو ہی کہہ کب تلک نہ اٹھے کر راہ

خوش خرامی ادھر بھی کیجئے گا
میں بھی جوں نقش پا ہوں چشم براہ

کیا کہوں تجھ سے ہم نشیں دل میں
برچھی سی لگتی ہے وہ ترچھی نگاہ

جو ہوئے ہیں قرار آپس میں
میں ترا اور تو ہے میرا گواہ

جس پہ تقصیر وار تو سمجھے
ابھی ایسا تو کچھ نہیں ہے گناہ

ہنسنے اور بولنے کی باتیں کرو
نام اس کا نہ لو کہاں ہے چاہ

دید وادید رکھے جائیے گا
جب تلک ہو ملاپ خاطر خواہ

بت پرستی نہیں شعار اپنا
ھم کو ایسا سمجھیو واللہ

شوخ تو اور بھی ہیں دنیا میں
پر تری شوخی کچھ عجب ہے واہ

ہر گھڑی کان میں وہ کہتا ہے
کوئی اس بات سے نہ ہو آگاہ

درد اپنی طرف سے حاضر ہے
آگے پھر ہے تمہارے ہاتھ نباہ

جوں جرس دل کے ساتھ میرے آہ
نہیں نالے سوا کوئی ہمراہ

قصۂ زلف یار کیا کہئے
ہے دراز اور عمر ہے کوتاہ

درد درویش ہوں مری تعظیم
خلق کرتی ہے کہہ کے یا اللہ

دل سوا کسکو ہو اس زلف گرہ گیر میں راہ
ہم دیوانوں کی طرح خانۂ زنجیر میں راہ

ہمسے بیجا لوں سے شرمندہ دم عیسی ہی
ہو صبا کے تئیں کب غنچۂ تصویر میں راہ

نالہ دل میں لئے تجھکو پھرا شہر بشہر
آہ پر تو نے نہ کی ٹک دل تاثیر میں راہ

ولہ

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ / بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ
آہن ہے یا ہو سنگ ہے سب جلوہ گاہ یار / جوں آئینہ ہر ایک گذر میں صفا کو دیکھ

ردیف الیاء

اُسکی بہارِ حُسن کا دلمیں ہمارے جوش ہے / فصلِ بہار جسکے ہاں ایک یہ گل فروش ہے
بخت سیاہ برنگ شب نت ہی گلیم پوش ہے / شمع بھی اپنے ہاں اگر ہے تو سدا خموش ہے
خلوتِ دل نے کر دیا اپنے حواس میں خلل / حسن بلائے چشم ہے نغمہ وبالِ گوش ہے
ہووے تو درمیاں سے آپ اپنے تئیں اُٹھائیے / بار نہیں ہے اور کچھ سر ہی وبالِ دوش ہے
نالہ و آہ کیجئے خونِ جگر ہی پیجئے / عہدِ شباب کہتے ہیں موسمِ ناؤ نوش ہے
خیر تجھے جو چاہئے بدرقۂ جنوں نہ چھوڑ / ہم نے جہاں کی سیر کی رہزنِ خلق ہوش ہے
بخیوں کو پھر کہیں دستِ قضا نہ چھیڑ تو / قفل ہو دل ہر ایک میں ورنہ بھرا خروش ہے
غیر ملال زاہدا کیا ہے طریقِ زہد میں / دل ہو شگفتہ جس جگہ کوچۂ مے فروش ہے
اپنے تئیں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں
درد اگر لباس ہے دیدۂ عیب پوش ہے

آفت و جان و دل تو یاں وہ بت خود فروش ہے / پہلے ہی جسکے پیشکش صبر و قرار و ہوش ہے
دل کو سیاہ مت کر کچھ بھی تجھے جو ہوش ہے / کہتے ہیں کعبہ اس کو اور کعبہ سیاہ پوش ہے
کس کی یہ ہوتی ہے صبا گفت و شنید باغ میں / غنچہ سبھی دہان ہیں گل بھی تمام گوش ہے
آتش گل جنوں کا سر اگرم کرے تو یہ نہیں / سینہ ہمیشہ آگ ہے دلمیں سدا ہی جوش ہے
حادثۂ زمانہ کیا تیری جفا سے کیا بلا / ہمکو سپہر مت ڈرا نیش بھی یاں یہ نوش ہے
تمسے تو ایک معصیت چاہیں چھپے نہ چھپ سکے / اپنے گناہ کو ترا عفو ہی پردہ پوش ہے

آہ کہیں یہ ناتواں حال کرے سو کیا بیاں	منھ پہ ہے مہر خامشی دل میں بھرا خروش ہے
دور نہیں ہوا ابھی رنج شعور ساقیا	اک دو سہ جام اور بھی باقی ابھی تو ہوش ہے
محنت و رنج و غم سے یاں درد نہ جی چھپائیے
بار بھی اٹھائیے جب تئیں سر بہ دوش ہے

اس کو سکھلائی یہ جفا تو نے	کیا کیا اے مری وفا تو نے
بیکسی کو عبث کیا بیکس	قتل کر مجھ کو کیا لیا تو نے
حال سن سن لگا مرا کہنے	میں سنا کچھ نہ کیا کہا تو نے
ہم نہ کہتے تھے ہو جیو مت عاشق	پائی دل اپنی کچھ سزا تو نے
جی تو جی سے ترے رہا ہی مل	منھ لیا موڑ کیا ہوا تو نے
درد کوئی بلا ہے شوخ مزاج
اس کو چھیڑا برا کیا تو نے

دل مرا پھر دکھا دیا کس نے	سو گیا تھا جگا دیا کس نے
میں کہاں اور خیال بوسہ کہاں	منھ سے منھ یوں بھڑا دیا کس نے
وہ مرے چاہنے کو کیا جانے	یہ سخن یاں سنا دیا کس نے
ہم بھی کچھ بوجھتے سمجھتے تھے	سب یکایک چھپا دیا کس نے
وہ بلائے سے بھاگتا تھا اور
درد تجھ تک بلا دیا کس نے

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے	لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کی
خطرہ جو ہے سو آئینۂ دل پہ زنگ ہے

حیرت زدہ نہیں ہے فقط تو ہی آئینے
یاں ٹک بھی جس کی آنکھ کھلی سو دنگ ہے

اس ہستیٔ خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

گل گیر منہ لپا رہ تو شمع کی طرف
اس کی زبان ہی اسے کام نہنگ ہے

کب ہے دماغ عشق بتان فرنگ کا
مجھ کو تو اپنی ہستی ہی تیار فرنگ ہے

عالم سے اختیار کی ہر چند صلح کل
پر اپنے ساتھ مجھکو شب و روز جنگ ہے

میں کیا کہوں تجھے نظر آیا نہیں ہے کیا
اس گلشن جہان کا جو کچھ کہ ڈھنگ ہے

غنچہ شگفتہ ہوئے ہی ہوئے گر اس میں درؔد
دیکھا چمن میں جا کے تو کچھ اور رنگ ہے

وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دیئے
پردے تعینات کے جو تھے اُٹھا دیئے

ہوں کُشتۂ تغافل ہستیٔ بے ثبات
خاطر سے کون کون نہ اس نے بُھلا دیئے

روتی ہے چشم اب تئیں یہ تیری داد خواہ
کتنے ہی تیغ ابرو نے قصے چکا دیئے

عنقا کی طرح جتنے تھے یاں نامور فلک
تو نے خدا ہی جانے کہ کیدھر اُڑا دیئے

پگھلا دل اثر نہ مرے حال پر کبھی
ہر چند روتے روتے میں نالے بہا دیئے

یارب یہ کیا خرام ہے جس نے اک آن میں
کتنے ہی مُردے حشر سے آگے جلا دیئے

عالم میں جتنے پاک گہر تھے سو ایک ایک
اولے سے روزگار نے یونہی گُھلا دیئے

صیاد کہتے ہیں کہ گرفتار یاں کئی
مارے قفس کے اپنے آج کسی نے چُھڑا دیئے

ابر مژہ یہ چشم تو کیا ہے کہ گھر کے گھر
تو نے برس برس کے ہزاروں بہا دیئے

دونوں جہان کی نہ رہی پھر خبر اُسے
دو پیالے تیری آنکھوں نے جسکو پلا دیئے

اے شور حشر گردش دوران اہل قبر
ٹک بھی نہ سونے پائے کہ وونہیں جگا دیئے

چاہو وفا کرو نہ کرو اختیار ہے — خطرے جو اپنے جی میں تھے وہ سب اٹھا دیئے

سیلاب اشک گرم نے اعضا مرے تمام
اے دردؔ کچھ بہا دیئے اور کچھ جلا دیئے

گر باغ میں خنداں وہ مرا لب شکر آوے — گل سامنے داماں ہی منھ ڈھانک کے آوے
قاصد سے کہو پھر خبر اُدھر ہی کو لیجائے — یاں بیخبری آگئی جب تک خبر آوے
لوٹے ہے ترے گنج شہیداں کو غریبی — جی دینے کو ظالم کوئی کس بات پر آوے
زاہد کو جتا دیجیو بیخود نہیں یہ رنداں — آتا ہی تو خودداری کو گھر میں ہی دھر آوے
کہتے ہیں کہ یک دست تری تیغ چلی ہے — تب جانئے کہ جب یکدو قدم چل ادھر آوے
جوں خواب ہے وابستۂ غفلت یہ تماشا — کھل جائے اگر آنکھ تو پھر کیا نظر آوے
اے طبع رواں تیری مدد ہووے تو شاید — اس بحر میں ہمسے بھی کوئی شعر تر آوے

مطلق بھی نہیں دردؔ اضافت سے مبرا
عہدے سے تقید کے کوئی کیونکہ برآوے

اذیت کوئی تیر غم کی میرے دلسے جاتی ہے — کبھو ٹک دل کیا خالی تو پھر چھاتی بھر آتی ہے
سناؤں کیونکہ اپنا حال میں کیا سخت مشکل ہے — یہ قصہ جب لگوں کہنے تو اس کو نیند آتی ہے
نہیں مشتاق آئینے کے وہ جو صاف طینت ہیں — صفا تو عارضی ہے اور کدورت انکی ذاتی ہے
قیامت سرزمین دل پہ میرے حشر برپا ہے — ہوس ہر دم تمنائیں تو یہ یہ کچھ اٹھاتی ہے
اگر آئینہ چار آئینہ ٹھہرے تو نہ ہو سمجھ — سپر ہوں تیر مژگاں کا سو یہ میری ہی چھاتی ہے
پریشانت ہی رہتا ہے مجکو دردؔ کیا کہیئے — کہ ایسی زندگی سی چیز یوں ہی مفت جاتی ہے

چھاتی یہ گر پہاڑ بھی ہووے تو ٹل سکے — مشکل ہے جی میں بیٹھے سوچ سے نکل سکے
نشو و نما کی کس کو امید اے بہار یاں — میں خشک شاخ ہوں کہ نہ پھولے کہ پھل سکے
تحریک ہے یہ اس ید قدرت کی ذرہ کب — بیدست و پا صبا سے کوئی پات ہل سکے
مثل حباب جب کہ نظر سے گیا گیا — میں وہ غریق ہوں کہ نہ ڈوبا اچھل سکے
گرنے نہ دیویں خلق کی نظروں سے دل کو ہم — کوئی اگر کسو کے سنبھالے سنبھل سکے
روشن ضمیر جتنے ہیں عالم میں جوں نجوم — چرخ آسیا سے اپنے یہ دانے نہ دل سکے
دیتے عبث ہیں شیشہ گراں سنگ کو گداز — پگھلائیے جو تم سے کوئی دل پگھل سکے

کہہ اور بھی غزل کوئی پر اس ردیف میں
اے ذرہ قافیہ کو اگر تو بدل سکے

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے — میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے
وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آ سکے — آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے
ہیں وہ فتادہ ہوں کہ بغیر از فنا مجھے — نقش قدم کی طرح نہ کوئی اٹھا سکے
قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے — اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے
غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار — اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے
یارب یہ کیا طلسم ہے ادراک و فہم یاں — دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے
گو بحث کر کے بات بٹھائی یہ کیا حصول — دل سے اٹھا غلاف اگر تو اٹھا سکے
اطفائے نار عشق نہ ہو آب اشک سے — یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

مست شراب عشق وہ بیخود ہے جسکو حشر
اے ذرہ چاہے لائے بخود پر نہ لا سکے

قسم ہے حضرت دل ہی کے آستانے کی
ہوس ہو دل میں جو دیر و حرم کے جانے کی

طریق اپنے پہ اک دور جام چلتا ہے
وگرنہ جو ہے وہ گردش میں ہے زمانے کی

کیا جگر کو مرے داغ تیرے وعدوں نے
خبر سنی جو کہیں میں کسو کے آنے کی

نظر نہ کیجیو تو میرے دل کے خطروں پر
نہ جی میں لائیو کچھ بات کیا دوانے کی

جفا و جور اٹھانے پڑے زمانے کے
ہوس تھی جی میں کسو ناز کے اٹھانے کی

طریق ذکر تو ہے درد یاد عالم کو
طرح بتائیے کچھ اپنے تئیں بھلانے کو

کوئی بھی دوا اپنے تئیں راس نہیں ہے
جز وصل سو ملنے کی کہیں آس نہیں ہے

وہ اشک نکلتا ہے مری چشم سے جس کا
ہر قطرہ کم از پارۂ الماس نہیں ہے

زنہار ادھر کھولیو مت چشم حقارت
یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے

گذرا ہے بتا کون صبا آج ادھر سے
گلشن میں تری پھولوں کی یہ باس نہیں ہے

بے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر اے درد
ہر دم دم عیسیٰ ہے تجھے پاس نہیں ہے

یاں عیش کے پردے میں چھپی دلشکنی ہے
ہر بزم طرب جوں مژہ برہم زدنی ہے

دل ٹکڑے کیا ہے یہ مرا کس کے لبوں نے
جو لخت ہے سو رشک عقیق یمنی ہے

کیا کام مجھے خوف و رجا سے کہ میرے پاس
ہے جان سو بیجان ہے دل ہے سو غنی ہے

تن پروری خلق مبارک ہو انھیں یاں
جوں نقش قدم اور ہی آسودہ تنی ہے

آگے جو بلا آئی تھی سو دل پہ ٹلی تھی
اب کی تو مری جان ہی پر آن بنی ہے

اے درد کہوں کس سے بتا راز محبت
عالم میں سخن چینی ہے یا طعنہ زنی ہے

آتش عشق جی جلاتی ہے ۔۔۔ یہ بلا جان ہی پہ آتی ہے
تو ہے اور سیر باغ ہر وقت ۔۔۔ داغ ہیں اور میری چھاتی ہے
شام بھی ہو چکی کہیں اب تو ۔۔۔ آ شتابی کہ رات جاتی ہے
کچھ مناسب نہیں ہے کیا کہیے ۔۔۔ جی میں جو کچھ کہ اپنے آتی ہے
ٹک خبر لے کہ ہر گھڑی ہم کو ۔۔۔ اب جدائی بہت ستاتی ہے

درد اس کی بھی دید کر لیجئے
نوجوانی یہ مفت جاتی ہے

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے ۔۔۔ تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے
دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہے ۔۔۔ آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
بے خبر تیغ یار کہتی ہے ۔۔۔ باقی اس نیم جان میں کچھ ہے
ان دنوں کچھ عجب ہے میرا حال ۔۔۔ دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہے
اور بھی چاہیے سو کہیے اگر ۔۔۔ دل نامہربان میں کچھ ہے

درد تو جو کرے ہے جی کا زیاں
فائدہ اس زیان میں کچھ ہے

آرام سے کبھو بھی نہ یک بار سو گئے ۔۔۔ ایسے ہمارے طالع بیدار سو گئے
خواب عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے ۔۔۔ آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
اٹھتی نہیں ہے خانۂ زنجیر سے صدا ۔۔۔ دیکھو تو کیا سبھی یہ گرفتار سو گئے
تیری گلی ہے یا کوئی آرامگاہ ہے ۔۔۔ رکھتے قدم کے پاؤں تو ہر بار سو گئے
وہ مر چکے جو رونق بزم جہان تھے ۔۔۔ اب اٹھئے درد یاں سے کہ سب یار سو گئے

آج نالوں نے مرے زوری دلسوزی کی — زخم دل جتنے تھے یاں سب کی جگر دوزی کی
جی پہ رہتی ہے چڑھی زلف کسو کی میرے — اور تو کیا کہوں میں اپنی سیہ روزی کی
غیر بکتے ہیں عبث میرے پیارے تیری — بیوفائی نہیں محتاج بد آموزی کی
کیونکہ تشبیہ ترے ساتھ اسے دے کوئی — شمع کو آتی نہیں طرح دل افروزی کی

شعر کی فکر بن آتی ہے اسی سے جس کو
درد کی طرح کبھو فکر نہ ہو روزی کی

جوں سخن اب یاد اک عالم رہے — زندگانی تو چلی جا ہم رہے
تا ابد جوں قطرہ مجھ سا منفعل — جس جگہ سجدہ کرے وہ نم رہے
بہ چلا آنکھوں سے دل ہو کر گداز — منہ پہ آکے جم رہے تو جم رہے
رک نہیں سکتی ہی یاں کی واردات — کب یہ ہو سکتا ہے دریا تھم رہے
ہے زمانہ وہ کہ مثل آسماں — جس کے آگے اہل رفعت خم رہے
ہم ہی اس وحشت سرا میں نہیں اداس — اور بھی جو آئے سو یاں کم رہے
ہے محال عقل زیر آسماں — حرص ہو جس دل میں وہ خرم رہے
کبک بہ آتش کیا کرے یوں قہقہے — چیونٹیوں کے گھر سدا ماتم رہے

رکھ نفخت فیہ من روحی کو یاد
جب تلک اے درد دم میں دم رہے

بلبل نہ بر آئے باغباں سے — گل کا بھی نہ کچھ چلے خزاں سے
لیتے ہیں مژہ سے کام ابرو — یہ تیر چلے نہ گو کماں سے
چوں غنچہ دہان دل ہے غافل — ہر خنداں کہ نکلے ہے وہاں سے

مانند صبا تیری گلی میں — جو کوئی گیا پھرا نہ واں سے
ہے سیف زباں تری سیاہ مست — کہ ساغر چشم دل ستاں سے
دو میں دو نا ہوا قلم کے مانند — جو حرف نکل گیا زباں سے
شبنموں کے لئے فلک پھرے ہے — کھینچے ہوئے تیغ کہکشاں سے
ہر آن ہیں واردات دل پر — آتا ہے یہ قافلہ کہاں سے
بدنام کرے ہے دختر رز — مغ اس کو نکال اپنے یاں سے
ہے مثل چراغ درد میرا
دشمن دم عیسوی بھی جاں سے

نہ ہاتھ اٹھائے فلک گو ہمارے کینے سے — کسے دماغ کہ ہو دو بدو کمینے سے
نہیں خیال مجھے خاتم سلیماں کا — برنگ نام ہوں برگشتہ دل نگینے سے
بساں دانۂ انگور مے پرستوں نے — لیا ہے فیض مرے دل کے آبگینے سے
ترقی اور تنزل کو یاں کے کچھ عرصہ — مثال ماہ زیادہ نہیں مہینے سے
مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جاوے — کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے
مآل کار سمجھایا قبور نے ہم کو — یہ نقد مال لگا ہاتھ اس دفینے سے
بسا ہے کون ترے دل میں گلبدن اے درد
کہ بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی — ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی
دید وادید ہوئی دور سے میری اس کی — پر جو میں چاہا تھا سو بات نہ ہونے پائی
کون وہ بے سر و ساماں ہے کہ یارب جوں اشک — جس کی خاطر کہیں برسات نہ ہونے پائی

اُٹھ چلے شیخ جی تم مجلسِ رنداں سی شتاب — ہم سے کچھ خوب مدارات نہ ہونے پائی
جی میں منظور تھی جو آپ کی خدمتگاری — سو تو اے قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی
جی فنا ہو ہی گیا اک نگہِ کرم کے ساتھ
دردؔ نہ کچھ اور عنایات نہ ہونے پائی

فرصتِ زندگی بہت کم ہے — مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے
گو سراپا ہے آب آئینہ — اپنی آنکھوں میں چشم بے نم ہے
دِل صد چاک ہے گلِ خنداں — شادی و غم جہاں میں توام ہے
دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہے — دونوں عالم کا ایک عالم ہے
خیر و شر کو سمجھ کہ ہیں نہ زہر — سانپ کی زیست ہی تجھے سم ہے
مت عبادت پہ پھولیو زاہد — سب طفیلِ گناہِ آدم ہے!
سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف — جس کے ہاتھ آئے جام سو جم ہے
اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن — جو شجر ہے سو نخلِ ماتم ہے
نہ ملیں گے اگر کہے گا تو — تیری خاطر ہمیں مقدم ہے
دلِ عاشق کی بے قراری کو — وہ ہی سمجھے ہے جو کہ محرم ہے
دردؔ کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہ ہی رونا ہے نت وہی غم ہے

دِل مرا باغِ دل کشا ہے مجھے — دیدۂ جامِ جہاں نما ہے مجھے
چشمِ نقشِ قدم ہوں میں بیکس — خاک آنکھوں میں توتیا ہے مجھے
مجھ سے ہر چند تو مکدر ہے — تجھ سے پر اور ہی صفا ہے تجھے

کہیں خاموش ہو کر مثل شمع — اے زباں تجھ ہی سے گلا ہے مجھے
پاؤں لرزے ہے مست کے مانند — شیشۂ مے بھرا ملا ہے مجھے
ورنہ تیرے بھلے کو کہتا ہوں — یہ نصیحت سے مدعا ہے مجھے

ورنہ ان بے مروتوں کے لئے
اور بھی ہو خراب کیا ہے مجھے

یار نہ مرا شکوہ ہی بھلا کیجئے اس سے — مذکور کسی طرح تو جا کیجئے اس سے
جوں جوں وہ کھٹے ہے تو یہی آتی ہے جی میں — پھر چھیڑیئے اور باتیں بنا کیجئے اس سے
سو مرتبہ یوں ٹھہر چکی اب سے نہ ملئے — ووں بھی نہیں بنتی ہے گیا کیجئے اس سے
بیزار اگر مجھ سے ہو مختار ہے بہتر — دل جس سے ملا اپنا ملا کیجئے اس سے

ہم کہتے نہ تھے درد میاں چھوڑیئے یہ باتیں
پائی نہ سزا اور وفا کیجئے اس سے

سرسبز تھا نیستاں میرے ہی اشک غم سے — تھے سیکڑوں ہی نالے وابستہ ایکدم سے
واقف نہ یاں کسو سے ہم ہیں نہ کوئی ہم سے — یعنی کہ آ گئے ہیں بہکے ہوئے عدم سے
میں گو نہیں ازل سے پر تا ابد ہوں باقی — میرا حدوث آخر جا ہی ٹھہرا قدم سے
گر چاہیئے تو ملئے اور چاہیئے نہ ملئے — سب تم سے ہو سکے ہے ممکن نہیں تو ہم سے
مشتاق گر ترا کچھ لکھے تو کیا عجب ہے — ہوں مثل نرگس آنکھیں پیدا ابھی قلم سے
ہر چند یہ تمنا درخور نہیں ہمارے — نزدیک تو جو آوے کیا دور ہے کرم سے
اب ہیں کہاں وہ نالے سرگشتگی کدھر سے — تھیں سب وہ باتیں ثابت تیرے ہی دم قدم سے
ہے اک نگاہ کافی گو ہووے گاہ گاہے — چنداں نہیں ہے مطلب عاشق کو بیش و کم سے

کاہے کو ہوتی ہم کو گردش نصیب طالع گر پاؤں اپنا باہر رکھتے نہ ہم عدم سے
آتے ہیں دام میں کب خورشید رو کسو کے اے شیخ یہ نہیں ہیں تسبیح کے سے ستمسے

ہے درد پر بھی کچھ تو نیری ہی سی مصیبت
گھیرے ہی اور رہی غم چھوٹے جو ایک غم سے

مرا جی ہے جبتک تری جستجو ہے زباں جب تلک ہے یہی گفتگو ہے
خدا جانے کیا ہوگا انجام اس کا میں بے صبر اتنا ہوں وہ تند خو ہے
تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا تری آرزو ہے اگر آرزو ہے
کیا سیر سب ہم نے گلزار دنیا گل دوستی میں عجب رنگ و بو ہے
غنیمت ہے یہ دید وادید یاراں جہاں مندگئی آنکھ میں ہوں نہ تو ہے
نظر میرے دل کی پڑی درد کس پر
جدھر دیکھتا ہوں وہی روبرو ہے

روندے ہے نقش پا کیطرح خلق یاں مجھے اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں گل چیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے
رہتی ہے کوئی بن کئے میری تئیں تمام جوں شمع چھوڑنے کی نہیں یہ زباں مجھے
پتھر تلے کا ہاتھ ہے غفلت کے ہاتھ دل سنگ گراں ہوئی ہے یہ خواب گراں مجھے
کچھ اور کنج غم کے سوا سوجھتا نہیں آتا ہے یاد جب کہ وہ کنج دہاں مجھے
جاتا ہوں خوش دماغ جو سنکر اسے کبھو بدلے ہے وو ہیں نظریں وہ دیکھا جہاں مجھے
جاتا ہوں بسکہ دمبدم اب خاک میں ملا
ہے خضر راہ درد یہ ریگ رواں مجھے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے ۔ جوں صدا نکلا ہی جائے خانۂ زنجیر سے
قدر مردوں کی سمجھنے کے نہیں یہ سرمایہ دار ۔ جوہری واقف نہ ہووے جوہر شمشیر سے
دیکھنا تو آ کے از خود رفتگاں کا حال ٹک ۔ جا بجا سب پشت بر دیوار ہیں تصویر سے
منعم ایسے قصر لاکھوں مل گئے ہیں خاک میں ۔ جز خرابی کے بتا کیا فائدہ تعمیر سے
ذوق اب ہنستے ہیں رونے پر مرے سب خاص و عام
کیا ہوئے وہ نالے جو لگتے تھے دل میں تیر سے

ہم چشمی ہے وحشت کو مری چشم شرر سے ۔ آتی ہے نظر پھر وہیں غائب ہو نظر سے
اے ہموطناں اب کی یہ غربت زدہ ہرگز ۔ پھرنے کا نہیں عمر کے مانند سفر سے
کیوں تیغ تری دشمنی کرتی ہے مرے ساتھ ۔ مجھ کو تو نہیں کام کسو کی بھی کمر سے
جاؤں میں کدھر جوں گل بازی مجھے گردوں ۔ جانے نہیں دیتا ہے ادھر سے نہ اُدھر سے
کعبہ بھی بھلا شیخ ترے ساتھ چلیں گے ۔ ایدھر کو پھریں گے ہم اگر یار کے گھر سے
اس طرح کے رونے سے تو جی اپنا اُڑے ہے ۔ اے کاش یہ ابر مژہ دل کھول کے برسے
کھلتی ہے مری آنکھ جو احوال یہ اپنے ۔ جوں شمع گھٹا جاتا ہوں میں اپنی نظر سے
اے سنگ جو کچھ تو نے کیا شیشے کے حق میں
کرتا ہے کوئی بھی یہ سلوک اپنے جگر سے

گر خاک مری سرمۂ ابصار نہ ہووے ۔ تو کوئی نظر مائل دیدار نہ ہووے
سر رشتۂ الفت ہی برا شیخ و برہمن ۔ یہ رشتہ بہ ہر سبحہ و زنار نہ ہووے
گر قید ہی قسمت میں ہے کچھ اور ہو یارب ۔ پر دل تو کسو دل سے گرفتار نہ ہووے
پھر موت کسی طرح تو نزدیک نہ پھٹکے ۔ دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

دل دے کے ستمگار سے اظہار محبت — ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

گر زندگی اس طور سے اے درد جہاں میں
خاطر پہ کسو شخص کی تو بار نہ ہووے

دیا ہے کس کی نظر نے یہ اعتبار مجھے — کہ ایک دم بھی نہیں اپنے پاس بار مجھے
سوائے تیرے کسو سے نہیں ہو واشد یاں — مثال آئینہ اے چشم انتظار مجھے
تماشہ اپنی نظر میں سبک ہیں رہتا ہوں — دیا ہے اوروں کی نظروں نے گو وقار مجھے
کبھو ہی جی میں نہ گذرا خیال سرتابی — برنگ سایہ بنایا ہے خاکسار مجھے
تمہارے وعدے نہاں خوب میں سمجھتا ہوں — رہا ہے ایسے ہی لوگوں سے کاروبار مجھے
یہ کون برق تجلی ہوا ہے آفت جاں — کہ ایک دم نہیں جوں شعلہ اب قرار مجھے
جفائے جور تو ظالم سب ہی گوارا ہیں — مگر یہ رسم جدائی ہے ناگوار مجھے
یہ آپ ہی آپ کدھر تیوریاں بدلتے ہو — دکھائیے تو سہی منہ بھی ایک بار مجھے

اس امر میں بھی یہ بے اختیار ہے بندہ
ملا ہے درد اگر یاں کچھ اختیار مجھے

فرض کیا کہ اے ہوس یکدو قدم ہی باغ ہے — آپ کہیں کو اٹھیئے سو کب یہ دل و دماغ ہے
دیکھیو جس کو یاں اسے اور ہی کچھ دماغ ہے — کہ رنگ شب چراغ بھی گو ہر شب چراغ ہے
غیر سے کیا معاملہ آپ ہی ہیں اپنے دام میں — قید خودی اگر نہ ہو پھر تو عجب فراغ ہے
حال مرا نہ پوچھیے میں جو کہوں سو کیا کہوں — دل ہے سو ریش ریش ہے سینہ سو داغ داغ ہے
کھو نہ سکے کبھو خمار میرے نشے کی آبرو — دیدۂ آئینہ کی طرح تجھ سے بھرا ایاغ ہے
سنتے ہیں یوں کہ آہ تو ہم میں ہی چھپ رہا کہیں — اپنی تلاش ہی غرض ہم کو ترا سراغ ہے

غفلت دل ہوئی مگر پنبۂ گوش خلق درد
بلبل داستان سرا ورنہ ہر ایک زاغ ہے

اپنے تئیں تو ہر گھڑی غم ہے الم ہے داغ ہے
یا نہ کرے ہمیں کبھی کب یہ تجھے دماغ ہے

جی کی خوشی نہیں گرو سبزہ و گل کے ہاتھ کچھ
دل ہو شگفتہ جس جگہ وہ ہی چمن ہے باغ ہے

کس کی یہ چشم مست نے بزم کو یوں چھکا دیا
مثل حباب سرنگوں شرم سے ہر ایاغ ہے

جلتے ہی جلتے صبح تک گذری اسے تمام شب
دل ہے شعلہ ہے کوئی شمع ہے یا چراغ ہے

پائیے کس جگہ بتا اے بت بیوفا تجھے
عمر گذشتہ کیطرح گم ہی سدا سراغ ہے

سیر بہار و باغ سے ہم کو معاف کیجئے
اس کے خیال سے تو یاں درد کسے فراغ ہے

لحظہ بلحظہ یاں نیا داغ پر اور داغ ہے
تو بھی ادھر نگاہ کر ساحت سینہ باغ ہے

تیری نگاہ مست نے جب سے یہ کی ہے مے کشی
خون سے اپنے مثل گل ہمنے بھرا ایاغ ہے

دولت فقر کے حضور گرد ہے جاہ سلطنت
کہتے ہیں جسکو یاں ہما اپنی نظر میں زاغ ہے

اس کے خیال زلف نے سب سے ہمیں چھڑا دیا
گرچہ پھنسے ہیں دام میں دل کے تئیں فراغ ہے

ہم نے کہا بہت اسے پر نہ ہوا یہ آدمی
زاہد خشک بھی کوئی سخت ہی خر دماغ ہے

اہل نظر کو رہنما درد نہیں ضرور کچھ
مثل شرر وہی ہے چشم اور وہی چراغ ہے

پھنسئے کسی کی زلف میں کب یہ ہمیں فراغ ہے
کیجئے بو شمیم ہی سو بھی کہاں دماغ ہے

شعلۂ دل کو ہر گھڑی اے دم یاس مت بجھا
اپنی بساط میں تو یاں ایک یہی چراغ ہے

ہووے زنبور و سیہ آپ کے ساتھ جا بجا
کچھ بھی ہے ربط سمجھیے ہمرہ کباب زاغ ہے
قصد ہے جس طرح بنے پہونچیے آپ تک کہیں
ذہن بھی یہی ہے جستجو رات یہی سراغ ہے
زردؔ وہ گلبدن مگر تجھ کو نظر پڑا کہیں
آج تو اس قدر بتا کس لئے باغ باغ ہے!

پہلو میں دل تپاں نہیں ہے
ہر چند کہ یاں ہر یاں نہیں ہے
عالم ہو قدیم خواہ حادث
جس دم نہیں ہم جہاں نہیں ہے
ڈھونڈھے ہے تجھے تمام عالم
ہر چند کہ تو کہاں نہیں ہے
عنقا کی طرح میں کیا بتاؤں
جز نام مرا نشاں نہیں ہے
جوں شمع نہ راز دل کہوں گا
ایسی بھی مری زباں نہیں ہے
وعدے پہ ہو کیونکہ یاں تسلی
ہرگز یہ مجھے گماں نہیں ہے
فریاد کہ دردؔ جب تلک ہیں
تیار ہوں کارواں نہیں ہے

عشق ہر چند مری جاں کو سکھاتا ہے
پر یہ لذت تو وہ ہے جی ہی جسے پاتا ہے
آہ کب تک میں بکوں تیری بلا سنتی ہے
باتیں لوگوں کی جو کچھ دل مجھے سنواتا ہے
ہمنشیں پوچھ نہ اس شوخ کی خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے غرض جی کو مرے بھاتا ہے
بات کچھ دل کی ہمارے تو نہ سلجھی ہم سے
آپ ہی خوش ہوئے ہے پھر آپ ہی گھبراتا ہے
جی کوئی اکر کے ترے کوچے سے جب جاتا ہوں
دل دشمن یہ مجھے گھیر کے پھر لاتا ہے!
راہ ڈھونڈھے ہے جو اس شوخ کے تئیں ہم سے بھی
دید و وادید تو ہوتی ہے جو مل جاتا ہے
دردؔ کی قدر مرے یار سمجھنا واللہ
ایسا آزادہ ترے دام میں یوں آتا ہے

تحقیق ہے یا کہ افواہ ہے — کہ دل کے تئیں دلسے یاں راہ ہے
اگر بے حجابانہ وہ بُت ملے — غرض پھر تو اللہ ہی اللہ ہے
عدم رفتگاں کو جو کہنا ہے کچھ — تو قاصد ہمارا سرِ راہ ہے
نہ یاں علم و دانش نہ فضل و ہنر — فقط ایک دل ہی کہ آگاہ ہے
گئے نالہ و آہ سب ہم نفس — دمِ سرد ہی یک ہوا خواہ ہے
خدا اس کو رکھے سلامت رہے — خبرگیر دل گاہ بیگاہ ہے
یہ کیا درد تجھ پر مصیبت پڑی
کہ دن رات نالہ ہے اور آہ ہے

دشنام دے ہے غیر کو تو جان کر مجھے — پیارے یہ لطف کیجیے پہچان کر مجھے
کل کی طرح سے آج بھی اب نیند آچکی — گھیرا اسی خرابی نے پھر آن کر مجھے
کہتا ہے ایک نگاہ یہ آئینہ رُو مرا — بس اور اب زیادہ نہ حیران کر مجھے
آنا بہ بندہ خانہ اگر تجھ کو عار ہے — دولت سرا میں اپنی ہی مہمان کر مجھے
ہوں روبروئے چشم تو ہیں سرمہ در گلو — پر کہیو زلف سے نہ پریشان کر مجھے
صدقے ترے ہیں کب تئیں تڑپا کروں عبث — ہے روزِ عید آج تو قربان کر مجھے
ہیں شعر فہم جتنے زمانے میں لاعلاج
اے درد مانتے ہیں یہ سب مان کر مجھے

یاں غیب کے جلوے کے تئیں جلوہ گری ہے — جو شخص کہ گذرا ہی نظر سے نظری ہے
گر نازکی عشق تجھے رنگ دکھاوے — ہر سنگ میں شیشہ ہی بہر شیشہ پری ہے
جوں شیشۂ ساعت ہیں تنگ ظرف جہانکے — واں دلمیں کدورت ہی تو یاں یاد بھری ہے

سو طرح سے دیتے ہیں اسے ہیچ ہنرمند — مجھ سے نہیں ملتا یہ مری بے ہنری ہے
دل تنگ ہی ہے غنچۂ دل منہ نہ کھلاتا — جوں نکہت گل اس میں تری پردہ دری ہے
ہے جوں مہ و خورشید زر و سیم میسّر — تو بھی تو حریصوں کے تئیں دربدری ہے
لیتا ہے خبر وہ تو سب ہی خلق کی لیکن
اپنے تئیں اے دردؔ بہت بے خبری ہے

مجھ کو تجھ سے جو کچھ محبّت ہے — یہ محبّت نہیں ہے آفت ہے
لوگ کہتے ہیں عاشقی جس کو — ہیں جو دیکھا بڑی مصیبت ہے
بند احکام عقل میں رہنا — یہ بھی اک نوع کی حماقت ہے
ایک ایمان ہے بساط اپنی — نہ عبادت نہ کچھ ریاضت ہے
آ پھنسوں میں بتوں کے دام میں یوں
دردؔ یہ بھی خدا کی قدرت ہے

گل اگر سمجھو تو بعضے بھید کچھ کہہ کر گئے — بلبلو کہتے ہی غنچے راز دل تہ کر گئے
چند مدت اب تم اے یاراں آئندہ رہو — پیش ازیں یک چند اس بستی میں ہم رہ کر گئے
آنسوؤں میں کچھ جگر کے ٹکڑے ہیں بھی بعض بعض — پر نہیں معلوم لخت دل کدھر بہہ کر گئے
یہ نہ سمجھے اور ہی شاطر نے شہ دی تھی انہیں — زعم میں اپنے سلاطیں آپ کو شہ کر گئے
کشتگان عشق ہیں بخشو خدا سے خوب دردؔ
سخت صدمے یاں بتوں کے ہاتھ سہہ کر گئے

شخص و عکس اس آئینہ میں جلوہ فرما ہو گئے — ان نے دیکھا اپنے تئیں ہم اس میں پیدا ہو گئے

آئے تھے اس مجمعے میں قصد کرکے دور سے — ہم تماشے کے لئے آپ ہی تماشا ہو گئے
شیخ صاحب کچھ نہ پوچھو خلق ہے وہ پر فساد — جسمیں یاں اصلاح سے بھی فتنے برپا ہو گئے
آہ وے شخص جو دیتے تھے خبر غیب کی — ڈھونڈتے پھرتے ہیں انکو لوگ وہ کیا ہو گئے

دل ہی کچھ تنہا خفا ہو کر یہاں سے اٹھ گیا
ہم بھی تو اے درد چلنے کو مہیا ہو گئے

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے — جس لئے آئے تھے سو ہم کر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے — ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
کیا ہمیں کام ان گلوں سے اے صبا — ایک دم آئے ادھر اودھر چلے
دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس — تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے
آہ بس جی مت جلا تب جانیئے — جب کوئی افسوں ترا اس پر چلے
ایک میں دلریش ہوں ویسا ہی دوست — زخم کتنوں کے سنا ہے بھر چلے
شمع کے مانند ہم اس بزم میں — چشم تر آئے تھے دامن تر چلے
ڈھونڈتے ہیں آپ سے اسکو پرے — شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے
ہم نہ جانے پائے باہر آپ سے — وہ ہی آڑے آ گیا جیدھر چلے
ہم جہاں میں آئے تھے تنہا ولے — ساتھ اپنے اب اسے لیکر چلے
جوں شرر اے ہستی بے بود یاں — بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے
ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

بات جب آن دان پڑتی ہے / تب کہیں تیرے کان پڑتی ہے
آتش عشق قہر آفت ہے / ایک بجلی سی آن پڑتی ہے
آخر الامر آہ کیا ہوگا / کچھ تمہارے بھی دھیان پڑتی ہے
بات چڑھتی ہے دل پہ جو آخر / خلق کی پھر زبان پڑتی ہے
میرے احوال پر نہ ہنس اتنا / یوں بھی اے مہربان پڑتی ہے

شعر ہے اور درد نہ ہے جیسے
بات میں اور ہی جان پڑتی ہے

اک آن سنبھلتے نہیں اب میرے سنبھالے / بے طرح کچھ ان آنسوؤں نے پاؤں نکالے
جو کچھ کہ دکھادے گا خدا دیکھیں گے ناچار / صدقے ترے ایکبار تو منھ اپنا دکھالے
ایسے سے کوئی اپنے کیونکہ بچا وے / دل زلفوں سے بچ جائے تو آنکھوں سے چھپالے
وہ سرخ لباس اس کے گلے میں نظر آیا / جتنے ہیں مرے دلمیں پڑے اب تئیں لالے
کب تجھ پہ گذرتا ہے کبھو میرا سا احوال / یوں چاہے ہے سو تو اور بھی کچھ باتیں بنالے
کیا جانیے کس دل کے تئیں آہ ڈسیں گے / زلفوں نے تو بے طرح یہ اب چھوڑ رکھے ہیں کالے
پھر آگے قیامت ہے اگر اب بھی نہ آؤ / مرمٹ کے جدائی کے دن اتنے تو ہیں ٹالے
ابرو نے تری جب طرف اب تیغ سنبھالی / مژگاں نے وہیں کر دیئے تب سامنے بھالے

دعا رے کی تو مدت نہ کبھی دیکھا اس نے
اس غم کو بھلا کہیے کوئی کب تئیں ٹالے

غیر جو بے فائدہ ہاتھوں پہ گل کھایا کیے / ہم بھی ناحق داغ اپنے دل کے دکھلایا کیے
دل کی دل جانے مجھے شکوہ تو ملنے کا نہیں / گاہ گاہ ہے پاس میرے آپ تو آیا کیے

دن تمہارے تو کٹے مارے خوشی سے ہر طرح / ہم بلا سے یاں پڑے راتوں کو گھبرایا کیے

دل بُرا ہوتا ہے کوئی تجھ سے پر یوں ہی عبث / ہم سدا غیروں سے ملنا سن کے گھبرایا کیے

چین تو ہم کو نہ آیا ایک ساعت اس بغیر / رات دن ہر چند اپنے دل کو بہلایا کیے

دیکھتے پاتا نہیں ہے کوئی جسکی چھاؤں یاں / لے چلی ہے آج ہمکو وہ پری سایا کیے

اپنے دروازے تلک بھی وہ نہ آیا ایکبار / ہر گھڑی اُٹھ اُٹھ کے ہم جس کیلئے جایا کیے

یا تو وہ راتیں تھیں یا تو یہ دنوں کا پھیر ہے / ہاتھ اب لگتے نہیں تب پاؤں دبوایا کیے

تب ہمارے اس کے اب تک یوں نبھی تھی دردؔ یاں
بات ایسی ویسی ہم خاطر میں کم لایا کیے

ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا کہیں کیا جی کو رو بیٹھے / بس اب اک ساتھ ہم دونوں جہاں سے ہاتھ دھو بیٹھے

بساط اپنی میں ہم تھے آپ سو اپنا تو نہیں ملتے / نہ تھا کچھ اور اپنے پاس جس کو کھوئے کھو بیٹھے

نہ پوچھو کچھ ہمارے ہجر کی اور وصل کی باتیں / چلے تھے ڈھونڈنے جسکو سو وہ ہی آپ ہو بیٹھے

وفا کی چھینٹ بھی تجھ پر پڑی ہرگز نہ اے ظالم / لگا تھا خون دامن سے سو وہ بھی آب دھو بیٹھے

نہ اٹھ اے دردؔ اپنے بستر سے طمع کر ہرگز
جو کچھ یوں غیب سے آوے سو تم البتہ لو بیٹھے

جو یاں دو چاہنے والے قریب یکدگر بیٹھے / ہم اپنا دل بغل میں داب لیکر آہ کر بیٹھے

نہ پوچھو عشق کی شورش نے عالم میں کیا کیا کیا / عجب طوفاں اٹھایا یہ کہ جس سے گھر کے گھر بیٹھے

محبت نے تمہاری دلمیں بھی اتنا تو سر کھینچا / قسم کھانے لگے تب ہاتھ تیرے سر پہ دھر بیٹھے

کوئی دن اور بھی ہمکو پھرا لے گردش دوراں / نہیں اٹھنے کے پھر ہرگز کہیں اب کی اگر بیٹھے

نہ آنا تھا بھرا جی میں سو اب تو کچھ کہ نہ خالی / کہ دن جتنے تھے وعدوں کی نہ ملنے سے ہی بھر بیٹھے

پریکھا کس لئے اتنا کوئی جانے جو کچھ جانے   سدا رہتے ہیں یونہی لوگ یاں پیرا اُدھر بیٹھے
کوئی بیٹھا اس کنے یاں جا سکے ہے کس طرح جلدی
چلے تھے ہر گھڑی اُٹھ اُٹھ کے ہم اے درد پر بیٹھے

کبھی تو بیوفائی یاد آ جی کو ڈراتی ہے   کبھو امید وعدہ کی بھرے سے یاں دلاتی ہے
چھلاوہ سا جو ہو جاتا ہے جلوہ وصل کا گاہے   جدائی پھر تو اک مدت عوض کیا کیا دکھاتی ہے
کبھو رونا کبھو ہنسنا کبھو حیران ہو رہنا   محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے
اگر رستم ہو تو بھی کب یہ صدمہ تھم سکے اس سے   تپش دل کی سنبھالوں یوں تو میری ہی چھاتی ہے
پھرے ہے اس طرح جو آج تو اے درد بیخود سا
تنا ہم بھی تنک بالے وہ کیا آفت کہ آتی ہے

ہر گھڑی ڈھانپنا چھپانا ہے   الغرض تو بتو دکھانا ہے
وصل سے بھی تو سیری ہوتی ہے   کہیں اس بات کا ٹھکانا ہے
دل لگاؤ کہ یا گلے ہی لگو   داؤ ہے لگ گئے جو لگانا ہے
ترچھی نظروں سے دیکھنا ہر دم   یہ بھی اک بانکپن کا بانا ہے
یہی اپنی بھی گوں کی باتیں ہیں   آ ہی جانا جدھر کو آنا ہے
واہ ری یہ زبان کی تیزی   ہر طرح کچھ نہ کچھ سنانا ہے
دیکھیو کیجیو نہ بیدردی
درد کو بھی تو منہ دکھانا ہے

دل تجھے کیوں ہے بے کلی ایسی   کون نے دیکھی ہے اچپلی ایسی

سب بُرا کہتے ہیں تو کہنے دو — بات لائے ہو تم بھلی ایسی
وہ ملے گا تو ہم بھی ملتے ہیں — آپ لگ چلئے کیا چلی ایسی
خون ہوتا ہے دل کا یاں آفو — مہندی پاؤں کیا ملی ایسی
اس کے گھر میں کہاں سے پہنچے گا — دل بتا دے کوئی گلی ایسی
مسکرایا خوشی سے وہ جس طرح — باغ میں کب کھلی کلی ایسی
درد گھبرا کے تو جو بولا چونک
کیا اٹھی جی میں کھلبلی ایسی

کیف کم کو دیکھ اسے بے کیف کم کہنے لگے — جب حدوث اپنا کھلا راز قدم کہنے لگے
غیر تجھ کچھ کان میں بھی دم بدم کہنے لگے — بات تم اب اپنے دل کی ہم سے کم کہنے لگے
واہ وا قسمت کی بہبودی کو دیکھا چاہیے — وہ ہوا ہے پردہ تب ہم اسکو تم کہنے لگے
غافلو تم بات اپنی بھی سمجھتے ہی نہیں — ہر کسی کا وہ دہن جس کو عدم کہنے لگے
بت پرستی کفر یاں دل کی گرفتاری ہے درد
چاہنے جس کو لگے اس کو صنم کہنے لگے

دشوار ہوتی ظالم تجھکو بھی نیند آنی — لیکن سنی نہ تونے ٹک بھی مری کہانی
منظور زندگی سے تیرا ہی دیکھنا تھا — ملتا نہیں جو تو ہی پھر کیا ہے زندگانی
محتاج اب نہیں ہم ناصح نصیحتوں کے — ساتھ اپنے سب وہ باتیں لیتی گئی جوانی
مرنے سے آگے کیا ہے مر جائینگے تو مر جائیں — بہتر نہ ملئے تم سے گر یوں ہی جی میں ٹھانی
میر تو غبار کا کچھ پایا نشاں نہ ہرگز
صحرا میں جا صبا نے ہر چند خاک چھانی

جب کہا میں کہ ٹک خبر لینا — دل پہ آفت نداں ہے پیارے
ایک دم میں تو جی ہی جاتا ہے — زیست اب کوئی آن ہے پیارے
تب لگا کہنے سچ یوں ہی ہوگا — کیا پر اس کا بیان ہے پیارے
میرے دل کی جو پوچھیے یہ ہے — جان تو اپنی جان ہے پیارے

تجھ سے مر جائیں گے تو مر جائیں
جان ہے تو جہان ہے پیارے

تیری گلی میں میں نہ چلوں اور صبا چلے — یوں ہی خدا جو چاہے تو بندہ کی کیا چلے
کس کی یہ موج حسن ہوئی جلوہ گر کہ یوں — دریا میں جو حباب تھے آنکھیں چھپا چلے
ہم بھی جرس کی طرح تو اس قافلے کے ساتھ — نالے جو کچھ بساط میں تھے سو سنا چلے

کہہ بیٹھیو نہ درد کہ اہل وفا ہوں میں
اس بیوفا کے آگے جو ذکر وفا چلے

جتنی بڑھتی ہے اتنی گھٹتی ہے — زندگی آپ ہی آپ کٹتی ہے
زلف کی کج ادائیاں دیکھو — ہر گھڑی منھ سے جا لپٹتی ہے
آج ہے آہ کی ہوا کچھ اور — دیکھیے کس طرف پلٹتی ہے

جو خرابی کہ درد یاں پھیلی
دست قدرت سے کب سمٹتی ہے

گر نام عاشقی ترے نزدیک ننگ ہے — کریئے نہ مجھکو قتل تو پھر کیا نہ رنگ ہے
اس خانماں خراب کو لیجاؤں میں کہاں — دل پر تو یہ قضائے بیاباں بھی تنگ ہے

یہ تری درشتیوں کو سمجھتا ہوں آشتی تجھکو یہ میرے ساتھ عبث عزم جنگ ہے
کرتا ہے اسقدر تو خفا دردؔ کو عبث
ظالم وہ اپنی جان سے آپ ہی تنگ ہے

آہستہ گذر ہو تو صبا کوئے یار سے پہنچیں نہ کچھ جو مرے مشت غبار سے
اس سنگدل کی وعدہ خلافی کو دیکھئے پتھرا گئی ہیں آنکھیں مری انتظار سے
سینے کو چاک صبح کے مانند گر کروں جوں آفتاب نکلے مرا دل کنار سے
اے دردؔ غیر کا نہیں شکوہ مرے تئیں
جو کچھ گلا ہے مجھکو سو ہے اپنے یار سے

دیکھ لوں گا میں اسے دیکھئے مرتے مرتے یا نکل جائے گا جی نالے ہی کرتے کرتے
لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یاں مجلس ہی خالی ہو جائے ہی پیمانے کے بھرتے بھرتے
جو گیا کوچے میں اس کے نہ پھرا ادھر کو اے صبا جاتی تو ہے جائیو ڈرتے ڈرتے
دردؔ جوں نقش قدم تھا میں رہ پر اس کے
مٹ گیا اوروں ہی کے پاؤں کے دھرتے دھرتے

آیا ہے ابر زور چمن میں بہار ہے ساقی شتاب آ کہ ترا انتظار ہے
ظالم سمجھ کے اپنی نظر پھینکیو کہیں گذرا جدھر یہ تیر تو پھر وار پار ہے
رونا نہیں ہے شاہد مینا یہ بے سبب گردن پہ اس کے خون کسی کا سوار ہے
نازاں نظر سے اپنی گرا دے نہ دردؔ کو
جو کچھ کہ ہے سو ہے پہ ترا دوستدار ہے

مدت ہوئی کہ ویسی عنایات رہ گئی — اب گاہ گاہ سیدھی ملاقات رہ گئی
یاں کون آشنا ہے ترا کس کو تجھ سے ربط — کہنے کو یہ بھی لوگوں کے اک بات رہ گئی
بازی بدی تھی اس نے مری چشم تر کے ساتھ — آخر کو ہار ہار کے برسات رہ گئی

وہ دخت رز کہ جھیلتی پھرے ہے جہان کو
کہتے ہیں درد پاس بھی اک رات رہ گئی

گرچہ بیزار تو ہے پر اسے کچھ پیار بھی ہے — ساتھ انکار کے پردے میں پھر اقرار بھی ہے
زاہدا شرک خفی کی بھی خبر ٹک لینا — ساتھ ہر دانۂ تسبیح کے زنار بھی ہے
چشم رحمت سو ادھر کو بھی نظر کیجئے گا — ابھی امیدوار آیا یہ گنہگار بھی ہے

دل بھلا ایسے کو اے درد نہ دیجے کیونکر
ایک تو یار ہے اور تس پہ طرحدار بھی ہے

جب نظر سے بہار گذرے ہے — جی پہ رفتار یار گذرے ہے
وہ زمانے سے باہر اور ہے مجھے — رات دن انتظار گذرے ہے
جس کے تو ہو کے سامنے گذرا — آپ سے بار بار گذرے ہے

نالۂ زار درد کا ہر اک
چھوٹتے دل کے پار گذرے ہے

تو جو نکتا عبث ہی کسی بات کے لئے — میں آگیا ہوں صرف ملاقات کے لئے
دن ہی تمام جھگڑے ہی رگڑے میں ہوگئے — ہر دل خراب پھرتے تھے جس رات کے لئے
اگلے معانقے کو اگر کیجئے معاف — لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کے لئے

ہم جانتے ہیں ذرّہ اندھیرے میں راتکو
تو لگ رہا ہے کوچہ میں جس گھات کے لئے

غمناکی بے ہودہ رونے کو ڈبوتی ہے
گر اشک بجا ٹپکے آنسو نہیں موتی ہے
دم لینے کی فرصت یاں ٹک دی نہ زمانے نے
ہم تجھ کو دکھا دیتے کچھ آہ بھی ہوتی ہے
خورشید قیامت کا سر پر تو اب آپہنچا
غفلت کو جگا دنیا کس نیند یہ سوتی ہے
خورشید نہ تنہا ہے گردش میں زمانے کی
یاں اپنے دنوں کے تئیں شبنم بھی تو روتی ہے

جو ملنا ہے مل پھر کہاں زندگانی
کہاں میں کہاں تو کہاں نوجوانی
عجب خواب درپیش ہے پھر تو سب کو
سنا لو ٹک اب اپنی اپنی کہانی
دلاسا تو دیجیو تو ٹک جا کے اس کو
تڑپتی ہے بے کس مری جاں فشانی
نہ جاوے گا جبتک مرے جی میں جی ہے
ترا غم ہے پیارے مرا یار جانی

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے
فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول
دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے
جس دل پہ بیوفائی معشوق کے سبب
یہ کچھ گذر چکا ہو وہ پھر چاہ کیا کرے
دل دے چکا ہوں اس بت کافر کے ہاتھ میں
اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے

آنکھوں کی راہ ہر دم اب خونِ دل رواں ہے — جو کچھ ہے میرے دل میں منہ پر مرے عیاں ہے
غنچہ ہے دل گرفتہ گل کا ہے چاک سینہ — گلشن میں ہے تو یہ کچھ آسودگی کہاں ہے
آہوں کی کشمکش میں کہیں دیکھیو نہ ٹوٹے — تارِ نفس سے اے دل وابستہ میری جاں ہے

گمنام اب جہاں میں مجھ سا نہیں ہے کوئی
عنقا کا نام تو ہے ہر چند بے نشاں ہے

دل تڑپتا ہے ورنہ پہلو ہے — مرگ آ پہونچیو کہ قابو ہے
غم سے پہچانتا نہیں ہوں میں — کہ مرا سر ہے یا کہ زانو ہے
منع صہبا نہ کر مجھے اے شیخ — مے پرستوں کے حق میں دارو ہے

جلوہ گر ہے تجھی میں اے ذرّے
جس کی خاطر تجھے تگاپو ہے!

ہستی ہے سفر عدم وطن ہے — دل خلوت و چشم انجمن ہے
ہر چند کہ سنگ دل ہے شیریں — لیکن فرہاد کوہکن ہے
دیکھا تو یہ شورشِ من و ما — ہنگامۂ وصل جان و تن ہے

مت جا تر و تازگی پہ اس کی
عالم تو خیال کا چمن ہے

نہ وہ نالوں کی شورش نہ آہوں کی وہ دھونی — ہوا کیا درد کو یارب لگی ہے آج کیوں تھنی
جلا کر دیکھ نامہ کو حقیقت گر نہیں پڑھتا — محبت کے شرار و لپٹ نے یہ چھاتی جس طرح بھونی
علامت کو دل کی میں سمجھا تھا یہ آنسو بجھاوینگے — ولے یہ آگ تو پانی سے بھڑکی اور بھی دونی

پڑی ہی خاک پر یہ لاش اس رشک شہیدان کی
لہو کے آنسوؤں روتا ہی جس کو قتل کر خونی

تو اس قدر جو اس کا مشتاق ہو رہا ہے — کیا دل سی بھی زیادہ آئینہ میں صفا ہے
کوئی بھی شخص اس کا مارا ہوا نہ جیتا — دل مت کہیں لگانا الفت بڑی بلا ہے
سیماب کشتہ کس کا ماء الحیات کیدھر
گر جی کو مار سکیئے اے دردؔ کیمیا ہے

کس کے تئیں نہ دیکھیئے کس پر نگاہ کیجیے — کھولیئے جس طرف نظر سمجھیئے آہ کیجیے
عہد شکن ہو خواہ وہ دل شکنی کیا کرے — اس کی طرف سے ہو سو آپ نباہ کیجیے
کعبہ کو بھی نہ جائیے دیر کو بھی نہ کیجیے منہ
دل میں کسو کے دردؔ یاں ہوئیے تو راہ کیجیے

نہ وہ بہار واں ہے نہ یاں ہم جواں رہے — ملئے پھر اس سے آہ یہ وہ دن کہاں رہے
آباد رکھیو خانۂ دنیا کو اے سپہر — یکچند ہم بھی آن کے یاں میہمان رہے
دل اپنے پاس گو کہ بھورہتا نہیں ہے دردؔ
پر ہے یہی دعا وہ رہے خوش جہاں رہے

اگر آہ کیجیے اثر شرط ہے — وگر ضبط کریئے جگر شرط ہے
بڑا عیب فاحش ہی انسان میں — پر کھنے کو اس کے نظر شرط ہے
قدم عشق میں دردؔ رکھنا تو ہے — وہ جانے کہاں ہیں خبر شرط ہے

لخت جگر سب آنسوؤں کے ساتھ بہ گئے
کچھ پارہائے دل ہیں کہ پلکوں میں رہ گئے
کس کس طرح سے اُسنے بھی سن کے ہیں ٹالیاں
ہر چند کہ ہم بھی باتوں میں کچھ کچھ تو کہہ گئے
اس کی نظر میں دردیہ کچھ بات ہی نہیں
دانست میں ہم اپنی جو کچھ سن کے سہہ گئے

یہ زاہد کب خطا سے بے خطر ہے
اگر آدم نہیں تو بھی بشر ہے
علاج دردِ سر صندل ہے لیکن
ہمیں گھسنا ہی اس دردِ سر ہے
سراپا چشم ہوں جوں آئینہ پر
کسو پر دردؔ میری کب نظر ہے

کروں کس کے ساتھ اے شرر گرم جوشی
نہ دیکھی زمانے کی تو چشم پوشی
خبر اپنی لے اے گلستانِ خوبی
کرے ہے تبسم ترا گل فروشی
نپٹ مست ہے بوئے نرگس چمن میں
کسو کی تو آنکھوں نے کی بادہ نوشی

جگر پہ داغ نے میرے یہ گل فشانی کی
کہ اس نے آپ تماشے کو مہربانی کی
مری سی نالہ تراشی نہ کر سکا فرہاد
اگرچہ اس نے بھی اک عمر تیشہ رانی کی
ہم اتنی عمر میں دنیا سے ہو گئے بیزار
عجب ہے خضر نے کیوں کر کے زندگانی کی

بل سمت سینہ یا طرفِ سر کو منھ کرے
چھوڑا یہ دردؔ نے دیکھئے کدھر کو منھ کرے

کیا کم ہے مرغ قبلہ نما سے یہ مرغ دل　　سجدہ ادھر ہی کیجئے جیدھر کو منہ کرے
اس کے تئیں بھی دختر رز ٹک تو منھ لگا
میں جانو پھر یہ زاہد اگر گھر کو منہ کرے

مت اٹکیو تو اس میں کہ مشہور کون ہے　　ہر مرتبہ میں دیکھیو موجود کون ہے
دونوں جگہ میں معنی مولا ہے جلوہ گر　　غافل ایاز کون ہے محمود کون ہے
تجھ پر کھلا ہے راز الیہ المصیر اگر
ہر فعل تو سمجھیو مقصود کون ہے

ولہ

اک خلق سیہ مست ہے بے خبری ہے　　کس زلف کی بو تجھ میں نسیم سحری ہے
ہر آہ شرر بار ہے جوں سرو چراغاں　　کیا آگ الٰہی مرے سینے میں بھری ہے
غافل تو کدھر بہکے ہے ٹک دل کی خبر لے　　شیشہ جو بغل میں ہے اسی میں تو پری ہے

جان تو اک جہان رکھتا ہے　　کون میری سی جان رکھتا ہے
تیرے یہ ڈھنگ اور تجھ سے میاں　　درد کیا کیا گمان رکھتا ہے

نہیں چھوڑتی قید ہستی مجھے　　مگر کھینچ لیجائے مستی مجھے
زمانے نے اے درد جوں گرد باد　　دکھائی بلندی و پستی مجھے

کیا جانئے کیا دل پہ مصیبت یہ پڑی ہے　　اک آگ سی کچھ ہے کہ وہ سینہ میں گڑی ہے

اس طرح سے اک لخت جو آنسو نہیں تھمتے
معلوم ہوا درد کہیں آنکھ لڑی ہے

بس ہے یہی مزار پہ میرے کہ گاہ گاہ
جسلئے چراغ کوئی دل مہربان جلے
اے درد کیا عجب ہے مرے اشک و آہ سے
ڈوبے اگر زمین تو گر آسماں جلے

آیا نہ چین جی کو نہ دل سے تپک گئی
میں چپ رہوں کہاں تئیں چھاتی تو پک گئی
اب کون حال دل کہے اس مست ناز سے
اک آہ تھی سو وہ بھی سر اپنا پٹک گئی

دل ہی یہ بیقرار نہ ہووے تو کیا کرے
اپنا جب اختیار نہ ہووے تو کیا کرے
عاشق تو جانتا ہی نہیں اور کون ہے
اس کو پر اعتبار نہ ہووے تو کیا کرے

نہ ملئے یار سے دل کو تو کب آرام ہوتا ہے
وگر ملئے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے
یہ حسن و عشق مل بیٹھے ہیں گے آپس میں جو ہوگا
پر ان دونوں کے بکھیڑے میں اپنا کام ہوتا ہے

یہی پیغام درد کا کہنا
اگر کوئی کوئے یار میں گزرے
کونسی رات آن ملئے گا
دن بہت انتظار میں گزرے

ہمارے جامۂ تن میں نہیں کچھ اور بس باقی
گریباں میں ہے مثل صبح تک تار نفس باقی
یکایک عشق کی آتش کا شعلہ اسقدر بھڑکا
نہ چھوڑا سرزمین دل میں کوئی خار و خس باقی

گلرخوں کا بحر و بر میں جو کہ ہم مدہوش ہے
ہمنے دریا میں بھی دیکھا بلبلوں کا جوش ہے

وصف خاموشی کے کچھ کہنے میں آ سکتے نہیں
جس نے اس لذت کو پایا ہی سدا خاموش ہی

گر جان ہے تو جان کے آزار ساتھ ہے
یاں زندگی کے مردن دشوار ساتھ ہے
دنیا وہ فاحشہ ہے کسو سے نہیں بچی
دیکھا جسے تو اس کے یہ مردار ساتھ ہے

پوچھ مت قافلۂ عشق کدھر جاتا ہے
راہ رو آپ سے اس رہ میں گذر جاتا ہے
گو اچٹتا ہے مرا نالہ بتوں کے دل سے
کچھ نہ کچھ کام تو اپنا بھی یہ کر جاتا ہے

گر معرفت کا چشم بصیرت میں نور ہے
تو جس طرف کو دیکھئے اس کا ظہور ہے
آتی ہے دل میں اور ہی صورت نظر مجھے
شاید یہ آئینہ بھی کسی کے حضور ہے

نہ کچھ غیر سے کام نے یار سے
کہیں چھوٹوں اس دل کے آزار سے
مجھے دے کے دشنام کہنے لگا
نہ ہوگا خوش اب بھی تو بیزار سے

غیر اس کوچہ میں اب دیکھا تو کم آنے لگے
تیری خاطر میں کبھو شاید کہ ہم آنے لگے
کون ایسا آ رہا ادھر کو تم اسکی طرف
آنہ پھرتے تھے کبھو یا دم بدم آنے لگے

افراد

سُلجھتی بات جس طرح نہیں ہم ویسا ہی سُلجھاتے
یہ الجھیڑا نظر آتا تو اپنا دل نہ الجھاتے

گُل گُل کھائے تھے جنہوں نے وہ گل کچھ نہ کچھ کھلے
پر داغ اپنے دل کے تو سب خاک میں ملے

اگر نہاں ہی نہ تو تو ہے وگر عیاں تو ہے
غرض کہ دیکھ لیا میں جہاں نہاں تو ہے

دل کو سب قیدوں سے اسوقت میں آزادی ہے
مر چکے اب نہ ہمیں غم ہے نہ کچھ شادی ہے

یارب سپہر اپنی تو اب درگذر کرے
کوئی خانماں خراب کسی دل میں گھر کرے

اس تیغ آبدار کا گر یہی وار ہے
پیارے تو زخمیوں کا ترے بیڑا پار ہے

مرا تو جی وہیں رہتا ہے نت جہاں تو ہی
اگرچہ میں یہ نہیں جانتا کہ کہاں تو ہے

نہ مرتے ہیں نہ نیند آتی نہ وہ صورت بسرتی ہی
نہ جیتے جاگتے ہم پر قیامت شب گذرتی ہی

نہ یاں قصہ سکندر کا نہ مذکور سلیمانی
ہماری بزم میں ہوتا ہی اور ہی ذکر سُلطانی

از بسکہ جہاں نقش فنا ہی کا نگیں ہے
دل جس سی لگا پھر اسے دیکھا تو نہیں ہے

طلسم ہستی موہوم دل پر سخت چنبر ہے
برنگ عکس مجکو آئینہ سد سکندر ہے

تعین گر مٹے دل سی تو کفر آثار ہو جاوے
اگر عقدے کھُلیں تسبیح کے زنار ہو جاوے

تری آنکھیں دکھا دیجئے تو نرگس مست ہو جاوے
اگر دیکھے یہ قامت سرو گلشن پست ہو جاوے

نالہ ہے سو بے اثر اور آہ بے تاثیر ہے
سنگ دل کیا تجھ کو کہیے اپنی ہی تقصیر ہے

تجھ بن کہوں کیا کس طرح اوقات کٹے ہی
نے دن ہی نبڑتا ہی نہ یاں رات کٹے ہے

کیجئے کیا آہ کدھر جائیے
چھوٹئے اس دکھ سے تو مر جائیے

اس طرح جی میں سانس کھٹکے ہے
سانس ہی یا کہ پھانس کھٹکے ہے

مشابہ کوئی ان آنکھوں سے کم ہے
یہ نرگس ہے سو مرفوع القلم ہے۔

عبث دل بیکسی اپنی پہ تو ہر وقت روتا ہی
نہ کر غم اے دوانے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے

بت پرستی اب نہ بت شکنی
کہ ہمیں تو خدا سے آن بنی

نہیں ہے بے سبب یہ خندۂ دنداں نما ہر دم
کسی کے تو لہو پینے پہ یعنی دانت رکھتا ہے

زبس دردِ جدائی نے تری بندوں کو مارا ہے
اگر آزار بھی ہوتا ہے تو وہ جمع مقابل ہے

دیکھ کر رخسار تیرے کی صفا
آئینہ کی یاں اکھڑتی ہے قلعی

رباعیاتِ متفرق

مدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا
یعنی کہ بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں آئینہ کب نہ ملک پریشاں نظری
اب موند کے آنکھ بس جہاں کو دیکھا

دیکھا ہی میں زندگی کا جب سے سپنا
جلنا ہی سدا ہے مجھ کو نت ہی کھپنا
تقصیر معاف تب ہی ہو گی اے درد
جوں شمع کروں گا جب قدم بوس اپنا

اے درد یہ کون صبر کو لوٹ گیا
یوں تجھ سے جو ضبط یک بیک چھوٹ گیا
کیا تجھ پہ مصیبت پڑی ایسی ظالم
کہ تو بھی جی ڈھا کے دل ٹوٹ گیا

عاشق تجھ کو جو گھر نہ پاتا ہو گا
کیا کیا کچھ دل میں اس کے آتا ہو گا
اوروں سے بھی تو تجھ کو خوشی حاصل ہے
تیرا جی یوں بھی بہل جاتا ہو گا

پیدا کرے ہر چند تقدس بندا
مشکل ہے کہ ہو عشق سے دل برگندا
جنت میں بھی اکل و شرب سے کب ہے نجات
دوزخ کا بہشت میں بھی ہو گا دھندا

اے درد نہ یہ سمجھنا جو آکر دیکھا — کچھ تو ہی بتا کہ دل لگا کر دیکھا
مانند مژہ اٹھ گئی صف کی صف — ہم نے تو جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھا

ہم نے بھی کبھو جام و سبو دیکھا تھا — جو کچھ کہ نہیں دیدۂ تر دیکھا تھا
اُن باتوں پہ کچھ غور کیے اے درد — کچھ خواب سا تھا کہ وہ جو دیکھا تھا

موند آنکھ سدا کب تئیں دن ٹالے گا — غفلت کے تئیں بغل میں یوں پالے گا
اے درد مراقبہ تو کرتے ہو ولے — ٹک اپنا گریباں میں بھی سر ڈالے گا

کس کا کون کیا کسو سے کہنا — اپنا اپنا ہر ایک کا ہے کہنا
گزرے ہے تو اب اس طرح سے اپنی اے درد — رونا چپکے پڑے اکیلے رہنا

یارب مقصود خلق کیا میں ہی تھا — ایسا تحفہ جہان میں یا میں ہی تھا
کچھ کام ظہور میں آیا مجھ سے — بس تجھ کو یہ مجھ سے مدعا میں ہی تھا

آرام نہ دل کو بیقراری کے سبب — نے رات کو چین آہ و زاری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھو — یہ کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

کیا فائدہ گر باز ہے یاں دیدۂ سر — نت پردۂ چشم دل ہے کوری نگر
جوں آئینہ ہر چند کھلی آنکھ ولے — آتا ہے نظر میں عیب اپنا جوہر

یوں دیکھ کے اپنے غم سے مجبور نجور
کہتا ہے سمجھ تو سہی گر کچھ ہے شعور
اتنا بھی نہ مر کوئی دنوں جیب تارہ
مِلنا ہے تجھے پھر بھی جو تجھ سے منظور

اے دردؔ اگرچہ مے میں ہے جوش و خروش
رہتے ہیں ولے اہل تأمل خاموش
موجوں کو شراب کی وہ پی جاتے ہیں
گرداب کے مانند جو ہیں دریا نوش

اے دردؔ یہ درد جی سے کھونا معلوم
جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
گلزار جہاں ہزاروں پھولے لیکن
میرے دل کا شگفتہ ہونا معلوم

اے دردؔ بہت کیا پر کھیا ہم نے
دیکھا یہ عجب ہے یاں کا لیکھا ہم نے
بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ
جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

غم کھاتے ہیں اور آنسو نت پیتے ہیں
دن رات مجھے عجب طرح بیتے ہیں
گذرے ہے جو کچھ کہ گذرے کیا کہئے
پر تحفگی یہ کہ اب تلک جیتے ہیں

جب سے توحید کا سبق پڑھتا ہوں
ہر حرف پہ کتنے ہی ورق پڑھتا ہوں
اس علم کی انتہا سمجھنا آگے
اے دردؔ ابھی تو نام حق پڑھتا ہوں

اے دردؔ سبھوں سے برملا کہتا ہوں
توحید نہیں چھپا چھپا کہتا ہوں
مُلّا کو بھی اس میں نہیں جائے انکار
بندہ بندہ خدا خدا کہتا ہوں

دریا پہ عبث جائے ہے ساقی سے کہو
لے آئینہ دیکھ ظالم اس عالم کو
آنکھیں تری یوں نشہ سی جاتی ہیں چڑھی
جوں کشتی چڑھاؤ پہ کھنچی جاتی ہو

کی بہت طریق زہد میں عمر تباہ
اب کیجئے دل کو معرفت سے آگاہ
جوں کوچۂ مسکراک اسی میں دیکھا
کوچہ ہے یہ سربستہ نہیں آئیں راہ

کب جس میں ہو دنیا کی طلب بیٹھ سکے
جس دل میں ہوس بھری ہو کب بیٹھ سکے
تسکین شہود حق سے ہوتی ہے نصیب
اُٹھ جائے نظر سے خلق تب بیٹھ سکے

مت پوچھ کہ ہم نے عمر کیوں کر کاٹی
جس طرح سے کٹ گئی یہ ووں کر کاٹی
کس واسطے چاہیے پریکھا اتنا
دو روز کی زندگی ہے جوں کر کاٹی

ہر بت کے لئے کب تئیں مرتے رہیے
کب تک یہ کفر دل میں بھرتے رہیے
اب درد جو کچھ کہ زندگی باقی ہے
اللہ کو اپنے یاد کرتے رہیے!

اے بحر علوم سب کو باری باری
ہے تجھ سے ہی اب حصول فیض باری
تا حشر تری مریدی و پیری کا
جوں موج یہ سلسلہ رہے گا جاری

آزادی معرفت میں اے درد کبھی
عقدہ نہ کیا قبول جی پر کوئی
کیوں اتنی اٹک رہی ہے اب قید حیات
یہ بھی جو گرہ سی ہے سو کھل جائے کبھی

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی
اے درد کہاں ہے زندگانی اپنی
کل اور کوئی بیاں کریگا اس کو
کہتے ہیں اب آپ ہم کہانی اپنی

یا اُس نے ہی کچھ رسم تغافل کم کی
تاثیر پڑی ہے یا کہ اپنے غم کی
رونے کو مرے تولے ہے وہ نظروں میں
اس گوہر اشک کی بھی رتی چمکی

تیرے لئے درد کو کسی سے نہ بنی
بہتیروں نے چاہا پہ سب ہی سو نہ بنی
یہ خانہ خراب رفتہ رفتہ آخر
ایسا بگڑا کہ اپنے جی سے نہ بنی

جوں کال سے یاں تال کی پیدائی ہے
دوں تال سے کال کی شناسائی ہے
نہ کچھ تنزیہ اور تشبیہ تمام
وہ اِس کے یہ اُس کے یونہی کام آئی ہے

کچھ آپ ہی گرا کے آپ ہی کچھ چنتا ہے
کہتا ہے کچھ آپ آپ ہی سنتا ہے
اے درد ہمیشہ یہ دل دیوانہ
کیا کیا کچھ اُدھیڑتا ہے اور بنتا ہے

عاشق ہوئے جس کے اس کے محبوب بنے
دل خواہ سب اس کیساتھ اسلوب بنے
تس پر بھی جو کچھ بنی سو دیکھی تم نے
بس درد خدا سے اب تمہیں خوب بنے

رُباعی مستزاد

اے درد شب قدر ہے ہر زلف سیاہ - گر دل سے ہے راہ
ہر خط میں لکھی ہوئی ہیں آیات الہ - کر ٹک تو نگاہ

جوں آئینہ حیراں ہوں میں سر تا پا - ہے عشق گواہ
آتا ہے نظر حسن میں جلوہ کیا کیا - اللہ اللہ

مستزاد

گر شوق ہے جی میں حق کے پہچاننے کا - ابرام کرو
کہتا ہوں سخن چھوٹا سا پر ماننے کا - ایک کام کرو
ہے خیر اگر تم میں تو لازم ہے تمہیں پہچانو اُسے
اور تم ہی ہو تو فائدہ کیا جاننے کا - آرام کرو
کیسی تم کو بھاوت ہیں اور کیسی تو سُکھ پاوت ہیں
یہ پھلواری ورد ہیں کچھ اور سمود کھلاوت ہیں
کلیاں من میں سوچت ہیں جو پھول کو نی کھلاوت ہیں
جو دل واکو بیٹ گیو ہے وا دل موتی کو آوت ہیں

مخمسات

باطن سے صوفیوں کے تئیں خبر ہے — ظاہر پہ انھیں تو کب نظر ہے
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے — اس آگ سے سوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہے

خاموش ہو ترک گفتگو کر — باطن کی صفائی کی جستجو کر
حیرت میں وصال آرزو کر — آئینۂ دل کو روبرو کر
دیدار نصیب ہر نظر ہے

ہستی نے کیا ہے گرم بازار — لیکن ہے یہاں نگاہ درکار

سختی سے نہ رکھ قدم تو زنہار　　آہستہ گذر میان کہسار
ہر سنگ دکان شیشہ گر ہے

دیدار نما ہے شاہد گل　　اور زلف کشا عروس سنبل
جب دل نے مرے کیا تامّل　　تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہے

نزدیک و بعید ہے برابر　　مت ہو دم یاس سے مکدّر
آئینۂ وہم ہے سراسر　　مانند نگاہ نکل تو باہر
تیرے تئیں تجھ تلک سفر ہے

ہر عجز میں کبریا ہے محجوب　　ہر نقص میں ہے کمال مطلوب
کوئی بھی نہیں جہاں میں معیوب　　آتے ہیں مری نظر میں سب خوب
گر عیب ہے پردہ ہنر ہے

اے دیدۂ رموز کبریائی　　کب سمجھے ہے زاہد ریائی
بے عجز نہیں ہے واں رسائی　　ہے مجھکو جہاں یہ پر کشائی
پرواز شکست بال و پر ہے

ہم وحشیوں کے دل میں کچھ اور ہی اُمنگ ہے　　وحشت بھری ہے اور ہی ترنگ ہے
ان گم شدوں کے آگے تو عنقا بھی دنگ ہے　　اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

نے فکر صبح کی نہ غم شام تھا ہمیں　　نے شوق بادہ تھا نہ سر جام تھا ہمیں
جب تک عدم میں تھے عجب آرام تھا ہمیں　　اس ہستی خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے تشنہ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

نے یاں ہوائے آب ہے نے حرص نان کی
نے وحشت سفر نہ ہوس ہے جہان کی
زاہد یہ باتیں سب ہیں ترے امتحان کی
فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونو جہان کی
خطرہ جو ہے سو آئینۂ دل پہ زنگ ہے

ولہ

کس قیمت میں اس کے پاس نقد دیں کو لائیے
کس دنیا دکھاتے ہیں کہ یوں سودا یہ بنجائے
ہمیں یہ سوچ ہے وہ خود فروش ادھر آگئے
براہ او چہ در بازیم نے دینے نہ دنیائے
ولے داریم اندوہ سر داریم سودائے
مگر ان بے وقوفوں نے محبت سہل جانی تد
ہوس کرتا ہے ترے عشق کی ہر ایک نیک و بد
ولے یہ شعلۂ سرکش تو یوں گرمی کرے ہے کد
بنازم چشم ذاقت را عجب بینائی دارد
بغیر از سینۂ پاکاں نہ دیدم خوش کند جائے

دیگر

سناتی ہے مجھے ہر لحظہ کج ادائی دوست
کرے ہے دشمنی اب مجھ سے آشنائی دوست
بڑھی ہے اور طرف جا کے دلربائی دوست
یہ تو بھی دل میں ہے میرے وہی صفائی دوست
وفا مری نہیں دیکھے ہے بیوفائی دوست
مجھے تو نزع میں گزرا ہے صبح سے تا شام
پھر اب جو شام ہوئی صبح تک کسے آرام
غرض کہ مجھکو ہوئی زندگانی تلخ تمام
کہے ہے سن کے مرا حال وہ مجھے کیا کام
نگاہ کیجئے ٹک رنگ بیوفائی دوست

ترکیب بند

شاہنشہ ملک کفر و دیں تو — ہے تخت نشین دلنشین تو
ہوں لفظ بہ معنی آشنا میں — ہے معنی لفظ آفریں تو
اے زیور دست غیب ہر جا — انگشت نما ہے جو نگیں تو
کافر ہوں نہوں جو کافر عشق — ہے ناز بتاں نازنیں تو
دشمن ہے کہاں کدھر کوئی دوست — ہے گرمی بزم مہر و کیں تو
ویرانی وادی گماں تو — آبادی خانۂ یقیں تو
ہیہات جہاں یہ کور چشماں — ڈھونڈیں ہیں تجھے تو ہو وہیں تو
کرتا ہے یہ کون دیدہ بازی — گر روشنی نظر نہیں تو
تو ہی تو ہے دل کی بے حجابی — ہے پردۂ چشم شرمگیں تو

معشوق ہے تو ہی تو ہی عاشق
عذرا ہے کدھر کہاں ہے وامق

میں منتظر دم صبا ہوں — جوں غنچہ گرفتہ دل بنا ہوں
اک عمر گذر گئی سمجھتے — معلوم کیا نہ میں نے کیا ہوں
تنکا بھی تو ہل سکا نہ مجھ سے — شرمندۂ جذب کہربا ہوں
بیگانہ جو مجھ سے وہ پھرے ہے — تقصیر یہ ہے کہ آشنا ہوں
موجود نہ بوجھے کچھ وہ کافر — گر آوے خدا بھی تو میں کیا ہوں
اپنی تو نہ کھوئی تیرہ بختی — ہر چند کہ سایۂ ہما ہوں
بیدل تو نہ کر مجھے سمجھ ٹک — میں ہی تو بساط میں رہا ہوں

مشکل ہے مجھے کہیں رسائی   کوتاہی طبع نارسا ہوں
پائی نہ گل وفا کی بو بھی   اس باغ میں جابجا پھرا ہوں

آئندہ نہ کیجئے محبت
دنیا ہے نپٹ ہی جائے عبرت

میرے دم سر سے نہیں دور   خورشید اگر ہو قرص کافور
ہوں داغ میں زخم دل کے ہاتھوں   بہتا ہی رہا سدا یہ ناسور
پوچھے کوئی جس کی بات مجھ سے   کرنا ہے مجھے ترا ہی مذکور
ہے غم یہ ترا کہ روز و شب یوں   رکھتا ہے ہمارے دل کو معمور
ایذا میں ہے دیکھ کیا حلاوت   بے نوش نہیں ہے نیش زنبور
یاں کھولیو تو سمجھ کے آنکھیں   شمع مجلس ہے شعلۂ طور
اتنا نہ ہوا ہیں اُڑ سلیماں   کچھ تخت سے کم نہیں پر مور
قائل نہیں اختیار کا ہیں   بندہ ہے سمجھ ہیں اپنی مجبور
تو عشق کے رنگ کی سیر کر ٹک   واصل ہے کوئی کوئی ہے مہجور

پروانہ و شمع جل گئے یوں
ہیں بلبل و گل جدا جدا دوں

اس زیست کا اعتبار کیا ہے   کوئی دم ہیں یہ زندگی ہوا ہے
گزرا ہے نظر سے ایک عالم   یہ چشم نہیں ہے نقش پا ہے!
ظالم ٹک ادھر دیکھ لے تو   کوئی دل میں خدا ہی جانے کیا ہے
ڈھاتا تو ہے دل کے تئیں ولیکن   تو جان یہ خانہ خدا ہے

ہے دید فنا ہی حاصل چشم   عقدہ یہ حباب پر کھلا ہے
ظاہر ہے تجھی سے تو یہ عالم   تو مجھ کو بتا کہاں چھپا ہے
دنیا سے امید پائیداری   یہ وہم ترا کدھر گیا ہے
جوں آئینہ منھ کسی سے مت پھیر   تیرے دل میں اگر صفا ہے
کچھ پائی خبر نہیں سے دل کی   کس کے وہ خیال میں گیا ہے

ہے میرے تئیں سراغ دل کا
پھرتا ہوں لئے یہ داغ دل کا

مت کہہ کہ فلک میں ہیں برے ڈھنگ   کس کا ہے سمجھ تو ٹک یہ نیرنگ
اے رشک بہار ہے تجھی سے   یہ روئے زمیں پہ آب اور رنگ
برعکس سمجھ صفا کو اس کی   آئینہ کے دل میں ہو بھرا زنگ
اے شیشہ گراں نہیں یہ مینا   پگھلا ہے شراب پر دل سنگ
کرتا ہے جو صلح غیر سے تو   ہم سے ہے مگر ارادہ جنگ
حیرت کا مری تو یہ اثر ہے   وہ بھی مجھے دیکھ رہ گیا دنگ!
میں پہنچوں خیال کی طرح واں   گر مجھ سے ہو وہ ہزار فرسنگ
کرتا ہے یہ دل تو روز نالے   ہے نے سے زیادہ تر خوش آہنگ
میں غنچۂ دل گرفتہ دل   تو عقدہ کشائے خاطر تنگ

جوں زخم مجھے شگفتہ دل رکھ
مت تیغ سے اپنی منفعل رکھ

عاشق ہے اور اضطرار کرنا   اک جا نہ کہیں قرار کرنا

ہم بھی ہیں امیدوار تُو کے — ایدھر بھی صبا گذار کرنا!
اے عشق قسم ہے قتل گاہ میں — پہلے تو ایدھر ہی وار کرنا!
دل اس کی گلی کو جب چلے تو — میرا بھی تو انتظار کرنا!
مینا کو نہ توڑ محتسب تو — میرے تئیں سنگسار کرنا
ظالم ہیں تری یہ چشم قاتل — عاشق سے انکھیں نہ چار کرنا
ہو میرے سوا یہ کس سی ناحق — اپنے تئیں یوں نزار کرنا
اے وعدہ خلاف کب تلک یہ — بے فائدہ انتظار کرنا
آشفتہ دلوں کو مت ستانا — زلفوں میں نہ شانہ یار کرنا

وابستہ ہیں اُن سے مو بمو دل
مت ٹوٹ پڑے کوئی کبھو دل

مدت تئیں عشق دل پہ ور تھا — دیکھا تو عبث یہ دردِ سر تھا
آنکھوں نے جدھر کی نیزہ بازی — تھا دل ہی مرا کہ واں سپر تھا
زخمی نہ بچا تری نگہ کا — جو زخم تھا سو وہ کارگر تھا
ہو سامنے کون اس مژہ کے — میرا ہی تو یہ دل و جگر تھا
پوچھا میں کہ دل کیوں اُجاڑا — کہنے لگا خوب اپنا گھر تھا
ہیں ہم بھی صبا تو تیرے ہمراہ — مدّت سے ارادہ سفر تھا
اے نالہ پھرے ہے کیوں بھٹکتا — تجھ میں بھی کبھو تو کچھ اثر تھا
کیوں ردّ و قبول میں ہے جھگڑا — مجھ میں تو عیب نہ ہنر تھا
اے دردؔ جہاں کہیں میں دیکھا — وہ یار مرا ہی جلوہ گر تھا
خاموش ہو مت جتا کسو کو — آتا ہے نظر خدا کسو کو

انتخاب کلام مومن!

-از-

عبدالودود خاں

مومن کی غزل ان کی رومان پسند طبیعت کی شوخی اور رنگینی

کا جاں فزا عکس ہے اور انتخاب مومن اس شوخی اور رنگینی کا روح

پرور عطر — غزل کی ساری روایت میں آپ کو تغزل کا

وہ کیف نظر نہیں آئیگا جو مومن کی غزلوں میں، آپ اس کیف میں

ڈوب کر چند گھنٹوں کے لئے غم عشق اور غم روزگار کی تلخیوں

کو فراموش کرنا چاہیں تو اس انتخاب کا مطالعہ کیجئے۔

مجلد گردپوش سے مزین ـــــــ قیمت دو روپے چار آنے

اردو مرکز، ۱۱۱۷ حویلی حسام الدین بلیماران دہلی